© rasailojaraid.com

سلاطین ہند کی دینی و مذہبی مساعی: ایک جائزہ

محمد شمیم اختر قاسمی ۞

محمد بن قاسم کی معزولی کے بعد سے لے کر عہد عباسی کے درمیانی عرصے تک سندھ اور اس کے نواحی علاقوں ملتان اور لاہور وغیرہ سے عرب کا تعلق تو ضرور رہا، مگران کی طرح تیز رفتاری سے دوسرے امرا فتوحات نہ کر سکے۔ اگر نے آگے بڑھ کر ہندوستان میں عباسی خلفاکا اثرو رسوخ قائم کرنے کی کوشش کی تو اسے صرف وقتی فتح و کام رانی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اسی زمانے میں خلافت کی کم زوری سے فائدہ اٹھاکر سندھ میں اور اس سے آگے بڑھ کر شمالی ہند کے ساحلی علاقوں سے متصل چند خود مختار ریاستوں کاوجود عمل میں آیا، جن کے حکم راں عرب خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مگر خلافت بغداد سے ان کاتعلق برائے نام ہی تھا۔ان حکومتوں کے قیام سے یہ فائدہ ہوا کہ یہاں سے مسلمانوں کاتعلق بالکل منقطع نہ ہوسکا۔اس لیے درۂ خیبر کی راہ سے ہندوستان میں داخل ہونے والے عجمی فرماں رواؤں کو یہاں ایک سجاسجایا گلستاں ملا اور ابتدائی لڑائی بھرائی کے بعد جلد ہی انھوں نے یہاں اپنے قدم جمالیے۔اس جگہ یہ وضاحت بھی غیر ضروری نہ ہوگی کہ سلاطین ہند بہ نفس نفیس یا بہ راہِ راست یہاں اسلام کی اشاعت کے لیے فکر مند نہ تھے۔البتہ ان کے رویے سے بڑی حد تک اشاعت اسلام کی راہ ہم وار ہوئی۔اسی تناظر میں ہم ان کی دینی،مذہبی اور علمی مساعی کا جائزہ لیں گے۔

ہندوستان میں مسلم حکومت کے قیام کے اسباب

جس زمانے میں امیر سبکتگین نے ہندوستان پر حملہ کیا،اس وقت یہاں کے علاقے پنجاب، کابل،اور پشاور کاحکم ران راجہ جے پال تھا،جو طاقت ور، بڑے رعب اور دبدبے والا تھا۔ادھر ملتان میں شیعہ قرمطی نے اپنی شہنشاہیت کا ڈنکا بجا رکھا تھا۔جب کہ تیسری طرف ایک مسلم حکومت بخاراکی تھی، جو اپنا دم توڑ چکی تھی،جس کا ایک فہیم و زیرک امیر الپتگین خراسان کاعامل تھا۔جب ۳۵۰ھ /

۞ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ دینیات،عالیہ یونی ورسٹی، کلکتہ،انڈیا۔
(mohdshamimakhter.qasmi@yahoo.com)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۹۶۱ء میں ابوالفوارس عبدالملک بن نوح سامانی کا ایک حادثہ میں انتقال ہوگیا تو تخت بخارا کی مسند نشینی کے سلسلے میں تمام امرا سے رائے طلب کی گئی۔ الپتگین کی تجویز اس وقت بخارا پہنچی جب کہ ابوصالح منصور بن نوح سامانی کو تخت پر بٹھادیا گیا تھا۔اس کے متعلق الپتگین نے کہا تھا کہ ابو صالح کے بجائے اس کے چچا کو تخت پر بیٹھایا جائے، کیوں کہ وہ ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار ہے۔ اس تجویز سے ابوصالح کے دل میں الپتگین کے خلاف کدورت بیٹھ گئی۔اس سے پہلے کہ وہ اس کی سرزنش کرتا، الپتگین اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے غزنین اور کابل پر قابض ہوگیا۔اس طرح غزنین کی حکومت حاکم بخارا سے الگ ہوگئی۔لگ بھگ پندرہ سال تک الپتگیں غزنین اور کابل کا حکم راں رہا۔ ۳۶۵ھ / ۹۷۵ء میں اس کاانتقال ہوگیا تو یکے بعد دیگرے غزنین کے تخت پر دو حکم ران جلوہ افروز ہوئے۔مگر دوچار سالوں میں یہ اپنی موت مر گئے۔

۳۶۷ھ / ۹۷۷ء میں امیر ناصرالدین سبکتگین کو وگوں نے غزنی کے تخت پر بٹھادیا۔تخت نشینی کے بعد امیر کو کئی اہم مسائل سے دوچار ہونا پڑا اور اپنے ہم سایہ مسلم فرماں رواؤں سے جنگ کرنی پڑی۔ایک طرف قرامطہ کی خفیہ سازشوں کا اندیشہ جس کا مرکز و محور ملتان تھا، دوسری طرف دیلمیوں کی مخالفت،تیسری طرف فائق اور ابوعلی کے خرخشے،چوتھے خود اپنے ہی خاندان کی سلطنت کا بانی اور نیا بادشاہ ہونے کی وجہ سے اندرونی بغاوتوں کا خوف۔یہ وہ دھمکی آمیز طاقت تھی کہ اگر ذرا سا بھی بادشاہ بے خبر ہوتا تو اس کی حکومت کا خاتمہ ہوجاتا،چناں چہ اس نے کسی سے جنگ کی تو کسی سے مصالحت تو کسی کو افہام و تفہیم کے ذریعے اپنا ہم خیال بنایا۔

امیر ناصرالدین اپنے ہم سایہ حکم راں سے لڑائی بھرائی کے لیے فوج لے کر غزنی سے روانہ ہوا۔ ادھر غزنین کی سلطنت کو خالی دیکھ کر پنجاب اور لاہور کا راجہ جے پال غزنی پر حملہ کرکے اسے اپنے مقبوضات میں شامل کرنے کے لیے ایک بھاری فوج لے کر روانہ ہوگیا۔ سبکتگین کو خبر ہوئی تو وہ آندھی کی طرح تیز رفتاری سے اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے غزنین پہنچ گیا، نیز منصورہ کی بربادی کے بعد قرامطہ کازوروشور بڑھ گیا تھا اوروہ پہاڑی قبیلوں میں لامذہبیت کو بڑی تیزی سے پھیلا رہا تھا۔ سامانی سلطنت اور اس کے بعد غزنوی سلطنت قرامطہ کی سخت دشمن تھی۔ اس نے کوہ سلیمان اور دریائے سندھ کے ساحل تک سامانی فوجیں قرامطہ کے تعاقب میں آتی رہتی تھیں،لہٰذا پنجاب کے راجہ جے پال کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کہیں میری حدود مملکت میں یہ دست درازی نہ کردیں۔اس نے قرامطہ کی اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کو کہ اس نے ریاست منصورہ کو برباد کردیا بڑے اطمینان سے دیکھا اور ملتان کی متصلہ ریاست بھاٹنیہ کے راجہ کو شریک مشورہ کرکے سلطنت غزنی کے مشرقی سرحدی قبائل کے سردار حمید خان لودی سے اول ایک معاہدہ لکھایا اور پھر اپنی فوج کے ذریعے مدد دے کر ۳۸۵ھ میں حمید خان لودی کے ہاتھوں ملتان کے قریشی عربی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کرا دیا۔ایک طرف قریشی خاندان کی حکومت کے خاتمے کی سازش اور قرمطی کے پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرنا تودوسری طرف غزنی حکومت کو خالی دیکھ کر راجہ جے پال کاسلطنت غزنی کو لقمہ بنانا، ایسا نا منصفانہ اقدام تھا جسے کوئی سلطنت برداشت نہیں کرسکتی تھی۔۳۶۹ھ / ۹۷۹ء میں دونوں فوج کا سخت مقابلہ لمغان اور غزنی کے درمیانی خطے میں ہوا۔ مسلم افواج کے حملے کی تاب نہ لاکر راجا نے مجبوراً صلح کی پیش کش کردی۔راجہ اپنے ملک لوٹنے کے بعد نہ صرف وعدہ خلافی کا مرتکب ہوا، بلکہ ہندوستان کے دوسرے راجاؤں مہاراجاؤں سے استمداد کی عرضی بھیج کر سبکتگین سے دوبارہ جنگ کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ دوبارہ بھاری فوج لے کر امیر سے جنگ کرنے کے لیے لمغان کے مقام پر پہنچ گیا۔ ناصرالدین کے لیے اس کے سواکوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جے پال کا فیصلہ کن مقابلہ کرے اور اس کا صفایاکردے۔ چناں چہ ناصرالدین اپنی فوج لے کر جاے واردات پر پہنچا اور مقابل فوج پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اوروہ اپنی جان بچانے کے لیے ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ سبکتگین نے دشمن کادور دور تک تعاقب کیا۔اس علاقے کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لیے اپنے آدمیوں کو مامور کرکے غزنین کی راہ لی،جہاں اس کا۳۸۷ھ / ۹۹۷ء میں انتقال ہوگیا۔

محمود غزنوی کے دفاعی حملے اور اس کا پس منظر

امیر سبکتگین کے انتقال کے وقت باپ کے ہم راہ محمود غزنوی کا سوتیلا بھائی اسماعیل حاکم خراسان تھا۔ جب کہ محمود غزنوی بخارا کی مہم سر کرنے میں مصروف تھا۔مصلحت کے پیش نظر ناصرالدین نے اسماعیل کو تخت سلطانی پر بٹھا دیا،جس کی خبر محمود کو ہوئی تووہ رنجیدہ خاطر ہوا اور بڑے ادب واحترام اور پیارو محبت سے بھائی کو خط لکھا کہ ابھی تم کم عمر اور ناتجربہ کار ہو،اس لیے آبائی تخت میرے حوالے کردو،میں تم کو خراسان اور بلخ کی امارت بلا شرکت غیر سونپ دوں گا،مگر اس خط کا اسماعیل پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ خودکو ہی نادانی میں سلطنت غزنی کا بے تاج بادشاہ سمجھ بیٹھا،جس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتیجے میں دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور جیت کا سہرا محمود کے سر بندھا۔ اس طرح وہ ۳۸۸ھ / ۹۹۸ء کو غزنین کا بادشاہ بن گیا اور اپنی بے پناہ قابلیت اور فنون حرب کی واقفیت کی بنا پر یمین الدولہ وامیر الملۃ کا خطاب پایا، جو خلیفہ بغداد قادر باللہ کی طرف سے دیا گیا تھا۔[۱]

محمود غزنوی نے بخارا، آذربائیجان اور فارس کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر رکھی تھی کہ کوئی ہم سایہ مسلم حکم ران سلطنت غزنی میں مداخلت نہ کرسکے کہ اچانک محرم ۳۹۱ھ / ۱۰۰۰ء کو اسے خبر ملی کہ راجہ جے پال غزنی پر حملہ کرنے کے لیے بھاری فوج لے کر آرہاہے اور دریاے سندھ کو عبور کرچکاہے۔ چناں چہ محمود غزنوی بھی اپنی فوج کے ساتھ مقابلے کے لیے نکلا۔ راجا کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ راجا کے ہم راہ اس کے کئی ساتھی گرفتار کیے گئے۔ انند پال جے پال کا لڑکا فرار ہونے میں کام یاب ہوگیا۔ محمود گرفتار شدہ لوگوں کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا۔ آٹھ مہینے کے بعد معافی تلافی ہوئی اور باج گزار رہنے کا وعدہ کیا تو محمود نے سب کو آزاد کردیا۔ راجہ جے پال لاہور پہنچا۔ انند پال کو جو اس کا بیٹا تھا وصیت کی کہ آئندہ محمود کے خلاف معرکہ آرائی نہ کرے اور سالانہ خراج بھیجتا رہے۔ اس کے بعد راجہ جے پال نے اپنے مذہبی عقیدے کے مطابق خود کو جلاکر خاک کرلیا۔[۲] اس کے بعد بھی یہاں کے ہنود متحد ہوکر محمود کے خلاف وقتاً فوقتاً علم بلند کرتے رہے۔ اس کی تادیب کے لیے محمود غزنوی کو دفاعی کارروائی کرنی پڑی۔ اس طرح اس نے لاہور، پنجاب، بھٹنڈا، کشمیر، تھانیسر، قنوج، متھرا، کالنجر، سومناتھ، انہلواڑہ اور اجمیر وغیرہ کے علاقوں پر متعدد بار حملے کیے اور مسلمانوں کے خلاف ابھرتی ہوئی متحدہ طاقت کو کم زور کرنے میں اس نے اپنی صلاحیت صرف کردی۔

ہندوستان میں امیر ناصرالدین سبکتگین اور محمود غزنوی نے متعدد حملے کیے۔ اس کی وجوہات پر منصفانہ نظر ڈالی جائے تو بہ ہرصورت یہ ماننا پڑے گا کہ انھوں نے یہاں حملہ کرنے کی کبھی پیش قدمی نہیں کی۔ دونوں (باپ بیٹے) نے اس وقت ہندوستان پر حملہ کیا جب ایک طرف راجہ جے پال غزنی کی سلطنت کو ہڑپ کرنے کی کوشش کررہا تھا تو دوسری طرف ملتان میں اور اس کے قرب وجوار کے

۱۔ نظام الدین احمد، **طبقات اکبری** (کلکتہ،۱۹۲۷ء)،۱: ۱۷؛ **اردو دائرۂ معارف اسلامیہ** (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۸۴ء)، ۲۰: ۴۳؛ اشتیاق احمد قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت** (کراچی: کراچی یونی ورسٹی، ۱۹۸۸ء)، ۲۶۔

۲۔ ابوالحسن ابن اثیر، **الکامل فی التاریخ** (بیروت،۱۹۶۵ء)،۹: ۱۷۰؛ محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، (دیوبند: مکتبہ ملت)،۱: ۱۰۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاقوں میں قرمطیوں کو پناہ مل رہی تھی۔ حالاں کہ وہ چاہتا تو زمام حکومت سنبھالتے ہی ملتان پر حملہ آور ہوتا اور قرمطیوں کا صفایا کردیتا اور راجہ جے پال سے بھی نبرد آزمائی کرتا۔ چوں کہ ہندوستان کے دوسرے راجا اورمہاراجاؤں نے بھی جنگ میں راجہ جے پال کاساتھ دیاتھا اور وہ مسلمانوں کو اذیت پہنچانے کے درپے تھے، اس لیے سلطان نے چن چن کر ان لوگوں سے جنگ کی اور ان مفسدوں کو بھی کیفر کردار تک پہنچایا جو سلطان کے خلاف لوگوں کو ورغلاتے اور بھڑکاتے رہتے تھے۔ اپنی شان دار کام یابی کے باوجود نہ تو اس نے کسی کو زبردستی مسلمان بنایا اور نہ مذہبی جنون کے بناپر یہاں کے مندروں کو مسمار اور بتوں کو پاش پاش کیا، ڈاکٹر تاراچند سلطان محمود کے متعلق لکھتے ہیں:

> محمود کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ کسی طرح آس پاس کے ملکوں کو فتح کرکے ایک وسیع سلطنت قائم کرلے۔ اس نے اس کوشش میں اپنی تمام زندگی صرف کردی اور اپنے ارادوں میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوا۔ اس نے وسط ایشیاکا بڑاحصہ اور فارس فتح کرلیا اور قریب تھا کہ خلیفہ وقت کی مملکت پر قبضہ کرے کہ ۴۲۱ھ / ۱۰۳۰ء میں اس کاانتقال ہوگیا۔ اس نے نام ونمود اور مال غنیمت کے خاطر ہندوستان پر بہت سے حملے کیے،بہت سے مندروں کو لوٹااور جلایا کیوں کہ وہ دولت کے خزانے تھے،لیکن اس نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کیا، بلکہ اپنی فوج میں بہت سے ہندو امیراور سپاہی مقرر کیے جو اس کی طرف سے فارس اور وسط ایشیا کی لڑائیوں میں لڑے۔ اس کا مذہبی تشدد محض ان بدعت پسند مسلمانوں پر تھا جو اس کی سلطنت کے امن وامان اور انتظام میں خلل انداز ہوئے۔(۳)

محمود غزنوی کی رواداری اورانصاف کو سراہتے ہوئے ڈاکٹر ایشور ٹوپا لکھتے ہیں:

> موجودہ دور کے ایک مورخ کاخیال ہے جو محمود غزنوی کا ناقد بھی ہے کہ وہ کوئی مبلغ اسلام نہیں تھا، غیر مسلموں کو مسلمان بنانا اس کامقصد نہیں رہا۔ الفسٹن نے ہم کو یقین کے ساتھ بتایا ہے کہ سلطان گجرات میں عرصہ دراز تک رہا،لاہور میں اس کا قیام رہا،لیکن اس نے کسی غیر مسلم کو مسلمان نہیں بنایا،اس نے ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی فکر ہی نہیں کی، اس کی مذہبی پالیسی میں رواداری کی خصوصیت تھی، اس کے متعلق یہ کہیں ذکر نہیں آتا کہ اس نے کسی ہندو کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور کیا،اس نے کسی بھی شخص کو اس کی ذاتی ضمیر کی بناپر موت کی سزا نہیں دی،اس نے لڑائی یامحاصرہ کے موقع پر تو ہندوؤں کو ہلاک کیا،لیکن کسی اور موقع پر اس کے ہندوؤں کے ہلاک کرنے کا ذکر نہیں پایاجاتاہے،اس کے پورے دور حکومت میں ہندوؤں کو پوری مذہبی آزادی رہی، ان کاتقرر نہ صرف انتظامی امور کے سلسلے میں کیاجاتا، بلکہ وہ فوج میں بھی بحال کیے جاتے،ان کے مذہب پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، جس طرح فوج میں عرب، افغان، دیلمی،

۳۔ تاراچند، **اہل ہند کی مختصر تاریخ** (دہلی: جے۔اینڈ سنز۱۹۱۸ء)،۱۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خراسانی اور غوری ہوتے وہ بھی ہوتے۔ ہندو لشکری اپنے آقا کی خاطر کرمان، خوارزم اور مرو میں جاکر لڑے۔ غزنویوں کی فوجی مہموں کی تاریخ میں ہندو فوجی سرداروں میں تلک، سوندیرائے اور ہج رائے کے نام نمایاں ہیں، غزنویوں کی حکومت میں ان ہندو فوجی سرداروں کی اعلیٰ حیثیت رہی، وہ بڑے قابل اعتماد سردار سمجھے جاتے، غزنویوں کے ساتھ ان کی وفاداری اور خدمت گزاری مثال کے طور پر پیش کی جاتی۔[۴]

محمود غزنوی کی رواداری کی ایک بڑی مثال یہ بھی ہے کہ ایک ہندو ملازم نے امیر نصر کا ایک جڑاؤ لگام چوری کرلیا تھا۔ امیر نے حکم دیا کہ اسے بیس کوڑے لگائے جائیں۔ محمود کو اس کی اطلاع ہوئی تو امیر نصر کو کہلا بھیجا کہ میری موجودگی میں تم میرے غلاموں کو تازیانے سے پٹواتے ہو اور ہماری ناراضی کی پرواہ نہیں کرتے، اس کے بعد ایک ماہ تک اسے اپنے حضور میں آنے نہیں دیا۔[۵]

فتوحات بلاد و امصار کے ساتھ سلطان نے کئی ایسے علمی، ثقافتی، اور مذہبی امور انجام دیے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر دینی جذبہ ہمیشہ متحرک رہتا تھا۔ وہ جب بھی لڑائی کے میدان میں اترتا تو پہلے خدا کے حضور سر بہ سجود ہوتا اور اپنی کام یابی کی دعا کرتا۔ اس نے اپنے دربار میں نامور علما وفضلا، شعرا اور ادبا کو جمع کرلیا تھا جو اپنے اپنے طور پر دینی وعلمی خدمات انجام دینے میں مصروف تھے۔ البیرونی نے اس کے دامن میں پناہ لی اور علمی جواہرات کے ایسے نمونے پیش کیے جن سے دنیا آج تک مستفیض ہورہی ہے۔ سلطان نے غزنی میں جو مسجد تعمیر کروائی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تعلیم کے لیے بھی اس نے بڑے بڑے مدارس و مکاتب قائم کروائے اور علما کی سرپرستی کی۔ علم و ادب نے اس عہد میں جو عروج حاصل کیا وہ تاریخ وادبیات کا اہم باب بن گیا۔ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

سلطان محمود نے نہ صرف فتح ممالک اور جمع اموال میں کمال حاصل کیا، بلکہ علم وادب کی بھی سرپرستی کی اور اپنے دربار میں زمانہ بھر کے منتخب شعرا اور علما وفضلا جمع کردیے۔ واقعہ یہ ہے کہ برگزیدہ شعرا کا جو جمگھٹا محمود کے دربار میں تھا، ایران، توران کے کسی دوسرے فرماں رواکو میسر نہیں ہوا۔ ان شعرا کی بذلہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں نے محمود کی فتوحات کو چارچاند لگا دیے اور نہ صرف سیاسی تاریخ میں بلکہ فارسی

۴۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، "ہندوستان کے عہد میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری"، **معارف**، اعظم گڑھ، ۱۱۵: ۲ (۱۹۷۵ء)، ۸۵۔

۵۔ **جامع الحکایات ولوامع الروایات**، ۸۶-۸۰، بہ حوالہ "ہندوستان کے عہد میں مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری"، نفسِ مرجع، ۸۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب کے اوراق میں محمود اور اس کے دربار کو بلند جگہ مل گئی۔ جن شعرا نے محمود کے دربار میں شہرت پائی ان میں فردوسی، عنصری، عسجدی اور فرخی خاص طور پر مشہور ہیں۔[۶]

غزنوی خاندان کی حکومت کم وبیش دوسو سال رہی۔ اس پورے عرصے میں متعدد ممالک کے بہت سے علما وفضلا، اکابر دین اور مشائخ عظام یہاں آئے جن سے خاص طور خطۂ لاہور و ملتان اسلامی شہر بن گیا۔ اسی زمانے میں شیخ حسین زنجانی، حضرت داتا گنج بخش ہجویری، شیخ شاہ یوسف گردیزی، صفی الدین گازرونی، شیخ سلطان سخی سرورو‌غیرہ نے اسلامی علوم و فنون کی اشاعت کی تو دوسری طرف بزرگان دین نے لوگوں کے دلوں کو گرمایا اور اپنی تعلیم و تلقین اور ارشاد و ہدایت کے ذریعے بڑی تعداد میں لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ اس کے علاوہ بھی اور دوسرے بہت سے محدثین کرام تھے جنھوں نے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور درس وتدریس پر زور دیا۔ ان میں ابوالحسن علی بن عمر لاہوری (م۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء)، شیخ محمد اسمٰعیل لاہوری (۴۴۸ھ/۱۰۵۶ء)، سید مرتضی (۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء)، ابوالفتوح عبد الصمد عبد الرحمٰن (۵۵۰ھ/۱۱۸۵ء)، ابوالقاسم محمد بن خلف (۵۴۰ھ/ ۱۱۴۵ء) کے نام خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

شہاب الدین غوری کی کام یابی

۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء میں شہاب الدین اپنے بھائی غیاث الدین کے حکم سے غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ اس کی فتح وکام رانی سے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور قدم جمانے کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ بھی محمود غزنوی کی طرح قرامطہ باطنی کی سر کوبی میں سر گرداں رہا اور اپنا پہلا حملہ ۵۷۲ھ/۱۱۷۶ء میں ملتان پراس نے قرامطہ کے استیصال کے لیے کیا۔ اسی ضمن میں وہ ہندو راجا بھی اس کے حملے کا نشانہ بنے جن کا سازباز قرامطہ سے تھا۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد ملتان سے متصل قلعہ 'اچھ' کو اپنی فتوحات میں شامل کیا۔ یہاں کا نظم ونسق علی کرماج کے سپرد کرکے سلطان غزنی لوٹ گیا۔

۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں سلطان نے پشاور پراپنا دوسرا کام یاب حملہ کیا، پھرلاہور پر لشکر کشی کی۔ ۵۷۶ھ/۱۱۸۰ء میں انھوں نے سندھ کے شہر دیول پر حملہ کیا۔ ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں اس نے دوبارہ

۶۔ شیخ محمد اکرام، **آب کوثر**، (دہلی: مٹیا محل، ۱۹۹۱ء)، ۶۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاہور پر لشکر کشی اور اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد سیال کوٹ میں ایک قلعہ تعمیر کیااور اس کی حکومت حسین خرمیل کو سپرد کر کے غزنی چلا گیا۔ بعد میں خسرو ملک نے کھوکھروں اور ہندوؤں کو اپنا ہم نوا بنا کر مذکورہ قلعے پر حملہ کیا،مگر وہ ناکام ہوا۔اس کی اطلاع شہاب الدین کو ہوئی تو اس نے۵۸۲ھ/ ۱۱۸۹ء میں لاہور پر حملہ کیا، بالآخر بات صلح پر ختم ہوگئی،پھر بھی بادشاہ نے اسے قید کردیا اور ایک سازش میں ملوث ہونے کے جرم میں اس کا قتل کردیا گیا۔یہاں کی نگرانی بھی علی کرماج کے سپرد ہوئی۔[۷]

۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں سلطان نے بھٹنڈا پر حملہ کیا۔یہ ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کا مرکز تھا،جو راجہ اجمیر کے قبضے میں تھا۔اس قلعے پر فتح پانے کے بعد یہاں کی حکومت ملک بہاء الدین ٹونکی کے سپرد کی اور خود غزنی چلا گیا۔ راستے ہی میں اسے خبر ملی کہ اجمیر اور دہلی کے راجاؤں نے متحد ہوکر بھاری فوج کو جمع کرلیا ہے اور بھٹنڈا کو مسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے کے ارادہ سے نکل گیا ہے۔اس وقت سلطان کے پاس فوج کی قلت تھی، مگر غیرت سلطانی نے گھوڑے کی باگ موڑنے پر مجبور کردیا، اور جدھر سے پرتھوی راج آرہا تھا اسی طرف اپنی تھوڑی فوج لے کر نکل پڑا۔ تھانیسر سے چودہ میل دور ترائن کے قریب دونوں کا مقابلہ ہوا۔لشکر کی قلت اور امیروں کی نااہلی کی بنا پر سلطان کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا،یہاں تک کہ کھانڈے رائے راجہ دہلی کے ہاتھوں سلطان کوکاری ضرب پہنچی۔ وہ کسی طرح بچ بچا کر یہاں سے نکلنے میں کام یاب ہوگیا اور غزنی پہنچ کر اس ناکامی کا تدارک کرنے لگا۔اس ہزیمت کا اسے اتنا غم ہوا کہ وہ سال بھر تک دیوانہ سا بنا رہا، نہ اس نے اچھے کپڑے پہنے اور نہ شبستان عیش ہی میں داخل ہوا۔[۸]

اگلے سال۵۸۸ھ/ ۱۱۹۲ء میں دوبارہ ایک بڑی فوج لے کر پرتھوی راج سے مقابلہ کرنے کے لیے اسی مقام پر پہنچا۔مقابلہ سخت ہوا،فیصلہ شہاب الدین کے حق میں ہوا۔اس جنگ میں پرتھوی راج اور کھانڈے رائے قتل ہوا۔اس کے بعد سلطان اجمیر پہنچا، قلعے پر قبضہ کیا اور پھر پرتھوی راج کے بیٹے کولہ جی سے اقرار اطاعت لے کر واپس چلاگیا۔اسی طرح راجہ دہلی سے بھی اقرار اطاعت لیا۔ واپسی پر اپنے غلام قطب الدین ایبک کو شمالی ہند کا وائسرائے مقرر کردیا۔اس فتح نے ہندوستان میں

۷۔ محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**،۱: ۲۱۹۔

۸۔ نفس مصدر،۱: ۲۲۱؛یحیٰی سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی** (کلکتہ، ۱۹۳۱ء)،۸-۹؛اکرام،مرجعِ سابق،۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم حکومت کی بنیاد رکھ دی۔دو سال کے بعد سلطان پھر ہندوستان آیا اور قنوج کے راجہ جے چند کو شکست دی۔اسی دوران قطب الدین ایبک نے گجرات، گوالیار، بیانہ،کول،بنارس وغیرہ اور بختیار خلجی نے بہار اور بنگالہ فتح کر کے اسے اسلامی حکومت میں شامل کرلیا۔[۹] ۱۲۰۶ء میں کھوکھروں نے بغاوت کی توسلطان نے خود ہندوستان آکر اسے شکست فاش دی۔اس کے بعدسلطان واپس جارہاتھا کہ دریاے جہلم کے کنارے ایک اسمعیلی فدائی نے اسے شہید کردیا۔[۱۰]

کھوکھر قبائل مسلمانوں پر کس طرح مظالم کرتے اور ستاتے تھے اس کی تفصیل فرشتہ نے اپنی تاریخ میں اس طرح بیان کی ہے:

لاہور میں قیام کے زمانے میں شہاب الدین کو معلوم ہوا کہ ان غیر مسلم کھوکھروں نے، جو دریائے سندھ سے لے کر کوہ سوالک کے دامن تک کے علاقے میں آباد ہیں،بڑے ہنگامے پیدا کررکھے ہیں، وہ اس حد تک متعصب ہیں کہ ان کے آس پاس کی آبادی ان کے ظلم وستم سے عاجز آچکی ہے،خاص طور پر پشاور اور اس کے گردو پیش کے مسلمانوں کا تو جینا مشکل ہوگیاہے،ان لامذہب کھوکھروں نے، خدا پرست مسلمانوں کے لیے پنجاب کاسفر کرنا بھی مشکل کردیاہے۔یہ لوگ کسی مذہب (یااصول) کے پابند نہیں ہیں۔لڑکیو ں کے ساتھ ان کابرتاؤ براہے،ان لوگوں کے ہاں یہ رواج ہے کہ جب ان کی لڑکی جوان ہوتی ہے تو لڑکی کاباپ یابھائی اس کاہاتھ پکڑکر اپنے مکان کے دروازے پر آکھڑاہوتاہے،راستہ چلنے والوں کو لڑکی کے خریداری کے لیے بلایاجاتاہے اگر خوش قسمتی سے کوئی شخص اس لڑکی کو پسند کرکے خرید لیتاہے تو وہ لڑکی اس کے حوالے کردی جاتی ہے،ورنہ اس بے زباں کو وہیں موت کے گھاٹ اتار کراس کے بوجھ سے نجات حاصل کی جاتی ہے۔ان لوگوں میں یہ دستور بھی رائج تھا کہ ایک عورت کئی کئی شوہروں کی زوجہ ہوتی تھی۔جو شوہر اس عورت کے گھر جاتا وہ باہر دروازے پر اپنا نشان لگاجاتا،تاکہ دوسرے شوہروں کو اس کی موجودگی کاعلم رہے،ایسے عالم میں کوئی دوسرا شوہر عورت کے مکان پر آتاتو وہ نشان کو دیکھ کر اندازہ کرلیتا کہ اس وقت عورت تنہانھیں ہے، لہٰذا وہ فوراً واپس چلاجاتا...دوسروں کو تکلیف پہنچانے میں یہ قوم بڑی ماہر تھی، خاص طور پر مسلمانوں کی دل آزاری سے تو وہ بہت خوش ہوتے تھے،الغرض یہ قوم ایک زمانہ تک اسی وحشیانہ انداز سے زندگی بسر کرتی رہی۔[۱۱]

۹۔ محمد اکرام،مرجع سابق،۹۳۔

۱۰۔ فرشتہ،مصدرِ سابق،۱: ۲۲۹؛منہاج سراج،**طبقات ناصری** (لاہور: ۱۹۵۲ء)، ۳۹؛محمد اکرام،مرجع سابق،۹۴۔

۱۱۔ فرشتہ،مصدر سابق، ۱: ۲۲۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان حکم رانوں کو تسخیر ملک کے علاوہ اتنا موقع کہاں میسر آتا کہ وہ بہ نفس نفیس اشاعت اسلام کی طرف متوجہ ہوتا۔ہماری راے میں ایک سلطان کے لیے کفرستان کو اسلامی قلم رو میں شامل کرلینا ہی اشاعت اسلام کا بڑا ذریعہ ہے۔ پھر سلطنت میں شریعت اسلامیہ کانفاذ،علما وفضلا کی سرپرستی، مشائخ وصوفیاے کرام پر نوازش، مساجدو مدارس کے قیام وغیرہ پر خاص توجہ دینا،یہ سب دینی خدمات کے مظاہرہیں۔یہ الگ بات ہے کہ اس کی ذاتی زندگی سے یا پھر سلطنت سے شریعت اسلام کی مکمل ترجمانی نہیں ہوتی، مگر جہاں کہیں بھی ایسے مواقع ملتے جس سے بہ راہ راست تسخیر قلب کیاجائے تو سلطان اس سے بھی پیچھے نہ ہٹتا۔ اس کی ایک اہم مثال کھوکھروں کاقبول اسلام ہے، جو ایک نہایت سرکش قوم تھی اور برائی اور بے حیائی اس کی گھٹی میں پڑی تھی، جس کی ایک بڑی تعداد کو سلطان نے اپنی حکمت عملی سے اسلام میں داخل کیا۔[۱۲]

شہاب الدین نے ایک طرف بڑھ بڑھ کر ہندوستان میں فتوحات حاصل کیں اور اسے اسلامی قلم رو میں داخل کیا، تو دوسرے طرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے ہزاروں کی تعداد میں کفار ہند کو کلمہ شہادت پڑھواکر حلقۂ اسلام میں داخل کیا، بلکہ تذکرہ نویس یہ بھی لکھتے ہیں کہ شہاب الدین کو جتنی بھی کام یابی ملی وہ حضرت کے فیوض وبرکات کا ثمرہ ہے، بدایونی نے بھی اس کی تائید میں لکھاہے کہ: ”وایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمانی آں قطب ربانی روی نمود“۔[۱۳] اسی عہد کی ایک مشہور ہستی سید مرتضی کوفی (۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء) محدث بھی ہیں جو حدیث و تفسیر کے عالم کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ان کے مقام عالی کو دیکھتے ہوئے سلطان نے انھیں اپنے درباریوں میں شامل کرلیاتھا۔ان کاانتقال راجہ اودے پال ظفر آباد سے مقابلہ کرنے کے درمیان ہوگیا۔[۱۴]

تنگ نظر مورخوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ غوری نے ہندوستان اور یہاں کے اصلی اور قدیم باشندوں کو برباد کرنے کے لیے متعدد حملے کیے اور مسلم سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

۱۲- فرشتہ،مصدر سابق،۱۵۳- ۱۵۴۔

۱۳- عبدالقادر بدایونی،**منتخب التواریخ** (کلکتہ،۱۸۶۸ء)،۱: ۵۰۔

۱۴- محمد اسحق،**علم حدیث میں بر صغیر پاک و ہند کا حصہ** (دہلی:مرکزی مکتبہ اسلامی،۱۹۸۲)،۷۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مفروضہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے،کیوں کہ ہندوستان پر شہاب الدین کے حملے کی غرض و غایت غزنی خاندان اور قرامطہ کی تباہی وبربادی تھی، پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

ہندوستان میں غوریوں نے جس حکم راں کو سب سے پہلے ختم کیا وہ ہندو نہیں بلکہ مسلمان تھا،بعض تذکروں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ خسرو ملک کے خلاف شہاب الدین نے کشمیر کے ہندو راجہ سے بھی مدد لی تھی۔یہ بیان صحیح ہو یاغلط،لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ غوریوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں جس سیاسی طاقت کو صدمہ پہنچایا وہ غزنویوں کی تھی۔جب ہندوراجاؤں سے نبرد آزمائی شروع ہوئی تو سیاسی مصلحتیں جو راہ دکھاتی ہیں ان پر عمل ہوتا رہا۔[۱۵]

بہ قول ڈاکٹر تاراچند:"غوری کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے تین مقاصد تھے،اول تو ملحدوں کو سزادیناتھا جنھوں نے ملتان میں اقتدار حاصل کرلیاتھا۔دوسرے محمود کے خاندان کا خاتمہ جو پنجاب میں حکمراں تھے۔تیسرے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرنا۔" [۱۶]

عہد قطبی کے ثمرات

سلطان شہاب الدین کاجب انتقال ہوا تو اس کے تین غلام موجود تھے،جن کے زیر نگرانی الگ الگ صوبے تھے۔قطب الدین ہندوستان میں،تاج الدین یلدوز غزنی میں، ناصر الدین قباچہ سندھ اور ملتان میں۔سلطان کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمود وراثتی تخت پر بیٹھا اور 'فیروز کوہ' کو دارالسلطنت قرار دیا۔محمود نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی قطب الدین ایبک کو ہندوستان کابادشاہ مقرر کردیا۔اس طرح وہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں ہندوستان کا خودمختار فرماں روا ہوا۔صرف چار سال ہی سلطان کی حیثیت سے حکومت کرنے کے بعد ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔اس سے قبل وہ سولہ سال تک دہلی میں نائب السلطنت کی حیثیت سے رہا۔اس عرصے میں اس نے ہندوستان کے بہت سے دور دراز علاقے بھی فتح کیے اور اسے سلطنت غزنی میں شامل کیا۔ان چار سالوں میں اس نے خاص طور حکومت کے انتظام وانصرام پر توجہ دا اور اپنی سلطنت کو عیوب ونقائص سے پاک رکھنے کے لیے اہم اقدامات کیے۔رعایا کی خوش حالی پر توجہ دی اور شریعت اسلامیہ کو ہندوستان میں رواج دیاجس کی وجہ سے وہ ایک عادل بادشاہ کہلایا اور مختلف اسلامی القاب سے نوازا گیا۔اس کی سخاوت کی وجہ سے

۱۵- خلیق احمد نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات** (دہلی:ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۸ء)،:۸۹۔

۱۶- تاراچند،**اہل ہند کی مختصر تاریخ**،۱۸۰- ۱۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگ اسے لکھ بخش کہتے تھے۔[۱۷] اس نے دہلی میں قوت الاسلام کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد بنائی۔[۱۸] دہلی کاقطب مینار اسی کا تعمیر کردہ ہے، مگر اس کو تکمیل کرنے کا سہرا اس کے داماد التمش کے سر جاتاہے۔[۱۹] اسی طرح اس نے ایک مسجد اجمیر میں تعمیر کروائی جو تاریخ میں ڈھائی دن کا جھونپڑہ کہلاتی ہے۔[۲۰]

قطب الدین ایبک کے ذریعے سلطنت دہلی کے قیام سے ایک طرف مسلمانوں کو دینی،مذہبی، سماجی، سیاسی حیثیت کو استحکام و دوام حاصل ہوا، تودوسری طرف یہاں کے ہنود کے لیے بھی بہت سے فوائد کے دروازے وا ہو گئے،کیوں کہ مسلمانوں کے روز مرہ کے عادات و اطوار، سماجی مساوات کے اصول وضوابط نے انھیں بہت زیادہ متاثر کیا اور ان کے اندر بھی داعیہ پیدا ہوا کہ صدیوں پرانی بھید بھاؤ کی زنجیروں کو گلے سے اتا رپھینکا جائے، پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

> ترکوں کے حملوں کے وقت ہندوستان طبقاتی امتیازات اور چھوت چھات کے مہلک تصورات کی دل دل میں پھنسا ہوا تھا،اعلیٰ طبقے شہروں میں رہتے تھے اور پورا سماجی نظام ان کے لیے زندگی ساری نعمتیں مہیا کرنے کے لیے وضع کیا گیا تھا۔چھوٹے طبقے کے لوگ شہر سے باہر رہتے تھے۔ان کی زندگیا ں نکبت وخواری کی دردناک داستانیں تھیں۔مذہبی کتابیں پڑھنا تو درکنار،سننا بھی جرم تھا۔مندروں کی شکل انھوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔شہر کی چہار دیواری میں طلوع آفتاب کے بعد وہ کام کرنے کے لیے داخل ہوتے تھے اور غروب سے پہلے باہر نکل جانا پڑتا تھا۔ایک ہی جرم کے لیے مختلف سزائیں تھیں۔اعلیٰ طبقہ کے لیے کچھ اور،اور نچلے طبقہ کے لیے اور۔ایسے سماجی نظام کو ختم کرنے والے کے ساتھ محبت کا پیدا ہوجانا ناگزیر تھا۔ایبک نے جس سماجی نظام سے ملک کو روشناس کیا اس کے دوزبردست انقلابی اثرات ہندوستان کے ہر بسنے والے نے محسوس کیے ہوں گے۔[۲۱]

قطب الدین کے تعلقات علما و مشائخ سے بھی بڑے خوش گوار تھے۔ان کے دامن دولت سے قاضی حمید الدین، افتخار علی بن عمر المحمودی،فخر مدبر صدر الدین حسن نظامی، مولانا بہا الدین اوسی

۱۷۔ فرشتہ،مصدرِسابق،۱: ۲۴۱۔

۱۸۔ فرشتہ،مشدرسابق،۱: ۲۳۷۔

۱۹۔ ثروت صولت،**ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ** (دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، ۱۹۹۸ء)، ۲: ۱۴۴۔

۲۰۔ سرسید احمد خاں،**آثارالصنادید** (دہلی: سنٹرل بک ڈپو، ۱۹۶۵ء)،۵۲۔ ۵۴۔

۲۱۔ نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**،۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جڑے ہوئے تھے۔بڑی مقدار میں انعام واکرام سے علما و مشائخ کو نوازتا تھا، بلکہ ائمہ اور علما کے بارے میں اس کی راے یہ تھی کہ یہ لوگ شریعت کی انگوٹھی کے نگینے ہیں۔(۲۲)

شمس الدین التمش کی خداترسی

قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد اس کا لڑکاآرام شاہ تخت پر بیٹھا۔مگر اس کی نااہلی کو دیکھ کر اراکین سلطنت نے جلد ہی اسے معزول کرکے سلطان شمس الدین التمش کو۶۰۷ھ/۱۲۱۱ء میں تخت دہلی پر بیٹھایا۔یہ قطب الدین ایبک کالے پالک بیٹااور داماد تھا۔اس نے چھبیس سال تک ہندوستان میں فرماں روائی کی۔قطب الدین ایبک جس طرح ہندوستان کی اسلامی حکومت کابانی ہے، اسی طرح شمس الدین التمش کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس نئی اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط کردیا۔خودایک خداترس بادشاہ تھا،نماز مسجد میں باجماعت اداکرتا تھا،اس کے ساتھ وہ بہت ہی بیدار مغز تھا۔اس کے عہد میں منگولوں نے ایران اور عراق میں تباہی مچانی شروع کی۔التمش نے اس کا مقابلہ کیا اور ہندوستان کو اس کے قہر سے بچائے رکھا۔(۲۳) اس کے عہد میں بڑی تعدادمیں لوگ ترکستان، ایران، ماوراء النہرسے ترک وطن کرکے ہندوستان آئے جس سے یہاں کے علما، فضلااور صوفیا و مشائخ کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوا۔تاج الدین سنگریزہ، امیر روحانی ناصری، بہاء الدین علی،قاضی حمیدالدین ناگوری، حاجی مجد الدین،فخر الملک عصامی،قاضی منہاج سراج،مولانا جلال الدین نظامی، نورالدین مبارک غزنوی، شیخ نجیب الدین بخشی، قطب الدین بختیار کاکی، جلال الدین تبریزی،قاضی قطب الدین کاشانی جیسے علما،فضلا،صوفیا، مشائخ اور شعرا وغیرہ نے علم و عمل اور واعظ و ارشادکی محفل گرم کر رکھی تھی۔ان کے قیام کی وجہ سے ہندوستان کے بعض مرکزی شہر اوچ، دہلی، بدایوں، لکھنو وغیرہ میں مرکزی مدارس قائم ہوئے،جہاں وہ تدریس کے فرائض بڑی ذمے داری اور فکرمندی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ان مدارس کے قیام میں سلطان کے علاوہ امراکی بھی سرپرستی حاصل تھی۔ سلطان کے عہد میں بدایوں، ننڈوارضلع بجنورمیں عالی شان مسجدیں،عید گاہیں اور حوض تیار ہوئے۔دہلی میں حوض شمسی کی تعمیراور قطب مینار کی تعمیر اس کے مذہبی احساس وفکر کی آئینہ دار ہے۔حوض شمسی کے متعلق کہاجاتا

۲۲۔ نفس مرجع،۹۳،۹۴،۹۵۔

۲۳۔ محمد اکرام،**آب کوثر**،۱۰۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ یہ ایسا مقام ہے جہاں دعا قبول ہوتی ہے،وہ خاص بندوں کا مقام ہے،وہ مقام رحمت ہے،مقام مغفرت ہے، وہ عابدوں اورزاہدوں،صالح لوگوں،بزرگوں اور ابدالوں کی جگہ ہے۔[۲۴]

رعایا کی داد رسی اور انصاف پروری کا جوطریقہ اس نے اختیار کررکھا تھا اس سے اس کی حکومت نے اور بھی زیادہ عروج حاصل کیا۔اس نے حکم دیا کہ مظلوم پیلے کپڑے پہن کر پھرا کریں تاکہ بادشاہ انھیں فورا پہچان لے اور بروقت انھیں انصاف مل سکے۔ رات کے لیے اس نے اپنے دروازے پرزنجیر لٹکانے کا حکم دیا،تاکہ مظلوم آکر اسے ہلائے تو بادشاہ فوراً اپنی خواب گاہ سے نکل کر آئے اور مقدمے کا فیصلہ کرے، مگر وہ اس پر بھی قانع نہ ہوا، اور کہا کرتا تھا کہ لوگوں پر رات کوظلم ہوتا ہو گا اورصبح تک فیصلے میں دیر ہوجاتی ہے، لہٰذا یہ بھی حکم دیا کہ فورا فریقین کو طلب کرکے فیصلہ کیا جائے۔[۲۵]

سلطان کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ ہمیشہ صلح کی پالیسی پر عامل رہا۔اس نے یقینا علما و مشائخ کی صحبت اختیار کی اور ان کے ارشاد وہدایت سے اپنے اذہان وقلوب کو منور کیا اور ان کی رائے صائب سے حکومت کے بہت سے امور انجام دیے،مگر ایک ایسے معاملے میں جہاں ہندوؤں پر زیادتی ہو رہی تھی، اس نے علما کی بات ماننے سے انکار کردیا اور انھیں معقول جواب دے کر خاموش بھی کردیا۔اس وقت ہندوستان کی جو صورت حال ہے، اس کے پیش نظر إما القتل و إما الإسلام کے اصولوں پر عمل کرنا مناسب نہیں ہے۔[۲۶]

رضیہ سلطانہ کا تدبر

شمس الدین التمش کے انتقال کے بعد اس کا منجھلا لڑکا رکن الدین (۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء-۶۳۶ھ/۱۲۴۰ء) دہلی کے تخت پر بیٹھا،مگر زیادہ دنوں تک حکومت کرنا اسے نصیب نہ ہوا۔اس کی ناسمجھی کی بنا پر پورے ملک میں بغاوت پھیل گئی۔اس سے فائدہ اٹھاکر بڑی چالاکی سے رضیہ نے اپنے

۲۴- نظامی،مرجع سابق،۱۲۹۔

۲۵- ابن بطوطہ،**سفرنامہ ابن بطوطہ** (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۱ء)،۲۲۷۔

۲۶- نظامی،مرجع سابق، ۱۱۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باپ کے تخت کو حاصل کرلیا اور ۱۲۳۶ء سے ۱۲۴۰ء تک تخت دہلی کو رونق بخشی۔[۲۷] اسلامی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عورت خود مختار حکم راں ہوئی۔[۲۸] وہ ایک پڑھی لکھی اور عقل مند خاتون تھی، غوروفکر کی عادی تھی، کتابیں پڑھنے اور مطالعے کی شائق تھی۔ کلام اللہ کی تلاوت کا بڑا اہتمام کرتی تھی۔[۲۹] انھیں لیاقتوں کی بنا پر اس نے ملک کا انتظام نہایت خوبی سے سنبھالا۔ بعض امیروں نے اس کی بادشاہت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور مقابلے پر مستعد رہے۔ چند ہی روز میں اس نے بنگالہ تا اڑیسہ اور پشاور تا کراچی تک اپنی سلطنت مستحکم کرلی۔ اس نے اپنی مختصر مدت حکومت میں ملکی انتظام و انصرام کے ساتھ عوام کی تعلیم وتربیت کی طرف بھی توجہ دی اور مدرسہ ناصریہ میں اچھے اچھے عالموں کو داخلہ دے کر تعلیم وتربیت پر مامور کیا۔[۳۰] اگر رضیہ سے ایک اہم لغزش نہ ہوتی (یعنی ایک حبشی غلام یاقوت کو زیادہ با اختیار بنا دینا اور پھر اس پر دل و جان سے فریفتہ ہونا) تو یقیناً وہ لمبے عرصے تک حکومت کرتی، کیوں کہ اس کے اندر حکومت کرنے کی تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں، مگر لوگوں نے اس کے ساتھ وفا نہ کی اور ۶۳۸ھ/۱۲۴۵ء میں اسے قتل کردیا گیا۔

پاک طینت ناصرالدین محمود

رضیہ سلطانہ کے بعد کئی سال ہنگامے رہے۔ اس دوران بہرام شاہ اور مسعود تخت نشین ہوئے۔ آخر کار امرا نے اس کے بھائی ناصرالدین محمود کو ۱۲۴۶ء میں تخت دہلی پر بٹھایا۔ یہ بڑا سیدھا اور نیک دل تھا۔ سلطنت کے خزانے کو رعایا کی امانت سمجھتا تھا اور قرآن مجید لکھ کر روزی کماتا تھا۔[۳۱] عبادت وریاضت میں مشغول رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اسے سیاسی امور اور انتظام حکومت سے دل چسپیاں کم تھیں۔[۳۲] جس کا بادشاہ کو احساس بھی تھا۔ باوجوداس کے وہ چاہتا تھا کہ حکومت میں کوئی خرابی اور عوام کو تکلیف نہ ہو، اس لیے اس نے غیاث الدین بلبن جو پنجاب کا صوبہ دار رہ چکا تھا کو اپنا وزیر

۲۷۔ ابن بطوطہ، مصدرِ سابق، ۲۰۸؛ سرہندی، **تاریخ مبارک شاہی**، ۲۴-۲۵۔

۲۸۔ محمد اکرام، **آب کوثر**، ۱۰۰۔

۲۹۔ بشیر احمد دہلوی، **واقعات دارالحکومت** (آگرہ: شمس پریس، ۱۹۱۹ء)، ۱: ۵۶۔

۳۰۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، **بزم مملوکیہ** (اعظم گڑھ: مطبع، معارف، ۱۹۵۴ء)، ۱۶۹۔

۳۱۔ **سفرنامہ ابن بطوطہ**۔

۳۲۔ محمد حبیب، خلیق احمد نظامی، **جامع تاریخ ہند** (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۱ء)، ۳۶۵-۳۶۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعظم بناکر سلطنت کا ساراانتظام اس کے سپرد کردیا۔ اس نے بلبن کو تاکید کردی تھی کہ تم کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے میری خدا کے سامنے رسوائی ہو۔[۳۳] اس کی دین داری، رعایا پروری اور عدل و انصاف کے سامنے امراوعوام نے گھٹنے ٹیکے اور کوئی ایسی بغاوت نہ کی جس سے حکومت کے کام میں رخنہ پڑے۔اس طرح بیس سال حکومت کرنے کے بعد ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

رعایا اور محتاجوں پر بادشاہ جس طرح نوازش کرتا تھا اس کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرشتہ نے لکھاہے کہ ایک حاجت مند اس کے پاس اس وقت حاضر ہوا جب وہ اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے قرآن کی تلاوت کررہاتھا، حاجت مند کی نظر اس مقام پر پڑی جہاں مکرر'فیہ' لکھاہواتھا۔اس نے کہا کہ' فیہ' مکرر ہوگیاہے۔ اس کے کہنے پربادشاہ نے قلم سے ایک' فیہ' پر گول دائرہ کھینچ دیا۔ پھرضرورت مند کو اس کی ضرورت کے مطابق سامان دے کر رخصت کر دیا۔اس کے بعد بادشاہ نے اس دائرے کو صاف کردیا۔ایک غلام جوسارا ماجرا دیکھ رہاتھا، اس نے بادشاہ سے ایسا کرنے کی وجہ معلوم کی۔اس پر بادشاہ نے کہا کہ وہ ضرورت مند تھا، اگر اس کی بات نہ مانتاتو وہ اپنی ضرورت کا اظہار کیے بغیر مایوس ہوکر لوٹ جاتا۔اس لیے اس کی موجودگی میں میں نے حلقہ بنادیا اور جب وہ چلاگیاتو میں نے یہ حلقہ مٹادیا۔'دنیا میں دل کے غباروں کا دور کرنا مشکل ہے،لیکن کاغذ کا نقش مٹانا آسان ہے۔'[۳۴]

اس زمانے میں عموماًس بادشاہ اپنے پاس کئی کئی بیگمات رکھتے تھے،مگر ناصرالدین محمود نے صرف ایک بیوی پر اکتفا کیا۔اس کی بیوی نے ایک بار بادشاہ سے کہا کہ روٹی پکاتے پکاتے میرے ہاتھ جل جاتے ہیں، مجھ سے آئے دن چولہا بھی جھونکا نہیں جاتا۔ اس لیے کوئی خادمہ دیں۔ سلطان نے جواب دیا بیت المال پر بندگان خداکا حق ہے، میری ملکیت نہیں ہے۔اس کے بعد بیوی سے کہا کہ اس چند روزہ پریشانی پر صبر کرو، اللہ تعالی قیامت کے دن اس مشقت کے بدلے تمھاری خدمت کے لیے حور دے گا۔[۳۵]

۳۳۔ بدیوانی، **منتخب التواریخ**،ا: ۸۹؛ سعید احمد اکبر آبادی،**مسلمانوں کا عروج و زوال** (دہلی: ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۳ء)، ۲۴۱۔

۳۴۔ فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ا: ۲۷۶۔

۳۵۔ نفسِ مصدر، ۲۷۵-۲۷۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہ عشق رسول میں ہر وقت سر شار رہتا۔ نبی اکرم ﷺ کانام زبان پر لانے میں حد درجہ احترام کرتا تھا۔ اس کے ایک ندیم کا نام محمد تھا اور اسی نام سے ہمیشہ اس کو پکارتا تھا۔ ایک دن حسب معمول سلطان نے اسے تاج الدین کہہ کر پکارا۔ ندیم شاہی حکم کی تعمیل کے بعد اپنے گھر چلاگیااور خوف سلطانی کاگمان کرکے تین دن تک دربار میں نہیں آیا۔ بادشاہ نے اسے بلابھیجا اور نہ آنے کاسبب دریافت کیا۔اس نے تبدیلی نام سے پکارے جانے کواس بات پر محمول کیا کہ کوئی بدگمانی ہوگئی ہے،تب بادشاہ نے کہا کہ میں نے جس وقت تم کو طلب کیا اس وقت میں بے وضوتھا اور بے وضو محمد کا نام لینے میں مجھے شرم آئی،اس لیے میں نے نام تبدیل کرکے تمھیں بلایا۔[۳۶]

مشائخ صوفیا میں حضرت بابا فرید گنج شکر کا حد درجہ احترام کرتاتھا،کئی مرتبہ ان سے ملاقات کی غرض سے ان کے آستانے پر حاضر ہوا، ساتھ ہی علما پر بھی بڑی نوازش کرتاتھا۔علم و فن کے لیے کافی تعداد میں روپے خرچ کیا کرتا تھا۔ شیخ عماد الدین، جلال الدین کاشانی، قاضی شمس الدین بہرائچی، شیخ الاسلام بہرائچی، شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی اور مولانا قطب الدین کے علاوہ قاضی منہاج سراج وغیرہ اس کے دامن دولت سے ہمیشہ جڑے رہے۔[۳۷] شعرانے بھی اس کے دربار میں بڑاعروج پایا۔[۳۸]

غیاث الدین بلبن کاعہدزریں

سلطان غیاث الدین بلبن ۶۶۴ھ/۱۲۶۶ء میں ناصرالدین محمود کے انتقال کے بعد تخت دہلی پر بیٹھا اور بیس سال تک حکومت کی۔اس سے پہلے وہ وزیر اعظم کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا۔اس طرح اسے چالیس سال تک حکومت کرنے کاموقع ملا۔ یہ بھی بڑی خوبیوں کامالک تھا۔ دین داری اور عبادت گزاری سے غافل نہ رہتا۔وہ علما اور نیک لوگوں کی صحبت بہت پسند کرتاتھا۔اگر کسی عالم دین کاانتقال ہوتا تو اس کے جنازے کی نماز میں شرکت کرتا اور اس کے ورثا کو تحفے تحائف سے

۳۶۔ نفس مصدر،۱: ۲۷۶۔

۳۷۔ سیدصباح الدین،بزم مملوکیہ،۱۹۲۔

۳۸۔ نفس مرجع،،۱۲۰۔ ۱۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نوازتا۔[۳۹] لیکن امور ملکی میں وہ علما کے مشورے اور شرع کے فیصلے پر نہ چلتا، بلکہ اپنی رائے اور ملکی مصلحتوں کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی حکومت میں بڑاامن رہا اور کوئی سرکاری عہدے دار ڈر کے مارے رعایا پر ظلم نہیں کرسکتا تھا۔وہ اپنی سلطنت میں مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی وجہ سے ہندو اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ بلبن کا یہ کارنامہ بڑاہی اہم ہے کہ اس نے منگولوں کو کئی بار شکست دی۔ منگولوں سے جنگ کرتے ہوئے سلطان کا لڑکا شہید ہوا۔[۴۰] منگولوں کے خوف سے اسلامی دنیا کے لوگ ادھر ادھر منتشر ہوئے تو بلبن نے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اپنے ملک میں امن کی زندگی گزارنے کے لیے جگہ دی۔ وہ علما کی بھی بڑی قدر کرتاتھا اور بڑی تعداد میں علما ان کے دربار میں موجود رہتے تھے، یہاں تک کہ علما کی غیر موجودگی میں کھانانھیں کھاتا تھا۔ان علما میں مولانا برہان الدین، نجم الدین عبدالعزیز، شیخ سراج الدین ابوبکر، مولاناشرف الدین دلوالجی، مولانا برہان الدین، مولاناکمال الدین زاہد، مولاناشمس الدین خوارزمی، مولانا فخر الدین ناقلہ وغیرہ تھے، جو ان کے دربار میں علم واخلاق کاچراغ روشن کیے ہوئے تھے۔[۴۱] مشائخ سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ حضرت بابافرید الدین گنج شکر کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے۔ اسی طرح اس نے عوام کی تعلیم پر بھی بڑی توجہ دی۔ دہلی کے دو مدرسے مدرسہ معزیہ اور مدرسہ ناصریہ کے اخراجات شاہی خزانے سے پوراکیا جاتا تھا۔[۴۲] بلبن نے طویل مدت تک حکومت کی اور شان دار حکومت کرنے کے بعد ۶۸۵ھ/۱۲۸۶ء میں اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے انتقال سے عوام وخواص کو بڑا رنج ہوا اور غم میں لوگوں نے اپنے کپڑے تار تار کرلیے اور ننگے سر جنازے کے پیچھے چلے۔[۴۳]

غیاث الدین کی کامیاب حکومت اور صالح فکر کی غماز اس کی وہ موثر نصیحت ہے جو اس نے اپنے بیٹوں کی تھی۔ قاسم فرشتہ نے لکھا ہے:

۳۹۔ ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی** (کلکتہ:۱۸۶۲ء)، ۴۵؛ محمد اکرام، مرجعِ سابق، ۱۰۷۔

۴۰۔ فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**،۱: ۲۹۹۔

۴۱۔ علی اصغر حکمت، **سرزمین ہند**، (تہران یونی ور سٹی، ۱۹۵۹ء)، ۱۷۔

۴۲۔ سید صباح الرحمن، **بزم مملوکیہ**،:۲۳۶۔

۴۳۔ نظامی، **جامع تاریخ ہند**، ۲۴۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان شمس الدین التمش فرماتے تھے کہ میں نے دومرتبہ معزالدین محمد بہاء الدین سام کی مجلس میں سید مبارک غزنوی سے سنا ہے کہ بادشاہوں کے اکثر افعال شرک کی حد تک پہنچ جاتے ہیں،لیکن اس پر بھی اکثر کام سنت نبوی ﷺ کے خلاف سرزد ہوتے ہیں،لیکن اس پر بھی اگر ان چار چیزوں میں خلل پڑا تو اس سے بڑھ کر کوئی گنہ گار نہیں ہے۔اول یہ کہ بادشاہوں کو چاہیے کہ اپنی حشمت اور دبدبہ کو مناسب فعل اور موقع پر استعمال کریں اور خلق خدا کی بھلائی اور خدا ترسی کے علاوہ کوئی اور بات ان کے پیش نظر نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی طرح کی بد کاری کو ملک میں رائج نہ ہونے دیں اور ہمیشہ فاسقوں اور بے غیرتوں کو ذلیل ورسوا رکھیں۔تیسرے یہ کہ سلطنت کے کام ہمیشہ عقل مندوں اور شائستہ لوگوں کے سپرد کریں،مخلوق کی باگ دیانت دار اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھ میں دیں،بد عقیدہ لوگوں کو اپنے ملک میں قدم نہ جمانے دیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ انصاف میں پوری کوشش کریں اور ماتحتوں کے کاموں کو برابر عدل کی ترازو میں تولتا رہے،تاکہ ملک میں ظلم اور جبر کا نام بھی نہ سنائی دے۔ اس کے بعد اپنے بیٹوں کو خطاب کرکے کہا کہ تم لوگ جو میرے جگر کے ٹکرے ہو، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم میں سے کوئی کسی عاجز اور ناچار پر ظلم کرے گا تو میں ظالم کو ضرور سزادوں گا۔[۴۴]

بلبن کے انتقال کے وقت اس کا بیٹا بغرا ں خاں جو بنگال کا حاکم تھا اور وہیں مقیم تھا، بلبن کی وصیت سے انحراف کرتے ہوئے لوگوں نے خان شہید کے بیٹے کیخسرو کو تخت پر نہ بٹھایا بلکہ بغراں خاں کے بیٹے معز الدین کیقباد کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا۔ یہ نہ تو اپنے دادا کے نقش قدم پر چلا اور نہ اپنے باپ کی بات مانی اور بہت جلد عیش وعشرت میں پڑگیا اور آرام پسندی کا وہ خوگر ہوگیا۔اس سے حکومت کے انتظام وانصرام میں خلل پڑنے لگا، ملک کی حالت دگر گوں ہوگئی، جس سے فائدہ اٹھاکر پنجاب کے گورنر جلال الدین فیروز خلجی نے تخت دہلی پر قبضہ کرلیا۔اس طرح خاندان غلامان کا ۶۸۷ھ /۱۲۹۰ء میں خاتمہ ہوگیا۔

جلال الدین خلجی کی دور اندیشی

شائستہ خاں جلال الدین فیروز خلجی ستر سال کی عمر میں تخت دہلی پر بیٹھا اور دارالخلافہ دہلی کے بجائے کیقباد کے نامکمل محل 'کیلو گڑھی' کو بنایا۔ یہ بادشاہ بڑاہی کریم النفس واقع ہوا، مذہب سے بے حد لگاؤ تھا،احترام شریعت کاپابند تھا، صوفیا میں حضرت نظام الدین اولیا سے عقیدت رکھتاتھا۔مگر ان

۴۴۔ اکبر آبادی، **مسلمانوں کا عروج و زوال**، ۲۴۵؛فرشتہ،مصدرِ سابق،ا: ۲۸۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ملنے کااتفاق نہ ہوا۔[۴۵] علم وفضل کے اعتبار سے بھی اس کاعہد بڑا درخشاں رہا۔وہ بڑے بڑے علما و فضلا اور دانش وروں کی کہکشاں تھا۔امیر خسرو اور حسن سنجری نے اس کے دربار میں عروج حاصل کیا۔اس نے ایک موقع پر خواہش ظاہر کی کہ جمعہ کے خطبے میں مجھے مجاہد فی سبیل اللہ کے لقب سے یاد کیاجائے،مگر بعد میں جب اس مسئلے پر غور کیا توخود کو اس کااہل نہ پایا اور ایساکرنے سے منع کردیا۔حالاں کہ اس نے ہندوستان میں نمایاں کام یابی حاصل کی اور منگولوں کے خطرات سے ملک کو بچائے رکھا۔ جب لوگوں نے خطبے میں اس لقب کے شامل نہ کروانے کے وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا: ”مجھے یاد نہیں آتا کہ میں نے عمر بھر میں کسی وقت شائبہ طمع اور طلب شہرت کے بغیر اللہ کے لیے تیغ زنی کی ہو یادشمنان خدا کی طرف تیر پھینکا ہو۔میں نے مغلوں سے جو مقابلہ کیا وہ شہرت کی خاطر کیاہے،اعلاء کلمہ حق کے لیے تمنائے شہادت کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔“[۴۶]

اس نے نہ صرف منگولوں سے جہاد کیا بلکہ اب تک جو ملک کاحصہ اسلامی قلم رو میں شامل نہیں ہواتھا، اسے بھی جنگ کرکے شامل کرلیا۔ دکن کی تسخیر اس کااہم کارنامہ شمار کیاجاتاہے۔جب وہ رنتھنبورکی مہم پر تھا اور قلعے کامحاصرہ کیے ہواتھا،مگرکام یابی ملنے میں دیر ہوئی تو یہ کہہ کر محاصرہ اٹھالیا اور دارالسلطنت کو لوٹ گیا:”میں اس جیسے دس قلعوں کو ایک مسلمان کے تار موکے مقابلہ میں اچھانھیں سمجھتا،بھلا ایسے غنائم اور اسباب واموال دنیا میں میرے کس کام آئیں گے کہ اتنے مسلمانوں کے قتل ہونے کے بعد میرے ہاتھ لگیں۔جس وقت بیوہ عورتیں اور مقتولوں کے یتیم بچے میرے پاس آکر کھڑے ہوں گے، اس وقت اس قلعے سے جوکچھ مجھے حاصل ہوا ہوگا زہر سے زیادہ تلخ ہو جائے گا۔“[۴۷] وہ قتل وخوں ریزی کو برداشت نہیں کرتاتھا اور کہا کرتا تھا کہ میں شریعت مصطفوی کے خلاف ہر گز اقدام نہ کروں گا۔

بادشاہ نے سات سال تک حکومت کی اور ایک سازش کے تحت اس کے داماد اور بھتیجے علاء الدین نے اس کا قتل رمضان ۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء میں کردیا۔[۴۸]

۴۵۔ نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۲۱۲۔

۴۶۔ شمس سراج عفیف،**تاریخ فیروز شاہی** (۱۸۹۱ء)،۱۹۶۔۱۹۷ ؛فرشتہ،مصدرِسابق،۱: ۳۲۳۔

۴۷۔ نفس مصدر، ۲۱۳۔ ۲۱۴۔

۴۸۔ ابن بطوطہ،**سفرنامہ**،۵۳۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاء الدین خلجی کی اقبال مندی

علاء الدین کو چچا کے قتل کے بعد بھی کچھ دنوں تک تخت دہلی سے مایوس ہونا پڑا،کیوں کہ جلال الدین کی بیوی نے اپنے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا تھا،مگر جب اسے اپنی اور بیٹے کی جان کا خطرہ پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو وہ بھاگ کر اپنے دوسرے بیٹے ارکلی خاں صوبہ دار ملتان کے یہاں چلی گئی۔ سلطنت کو خالی دیکھ کر علاء الدین اس پر قابض ہوگیا۔اعزاز و اکرام کے ذریعے امرا اور عوام کو بھی اپنا گرویدہ بنالیا۔مورخین کا خیال ہے کہ علاء الدین کے زمانے میں چوراسی چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑی گئیں اور ہر لڑائی میں یہ اقبال مند بادشاہ کام یاب وکامران رہا۔[۴۹] بلکہ فرشتہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جتنی فتوحات اس بادشاہ کو حاصل ہوئیں اتنی ہندوستان کے کسی اور حکم ران کے حصے میں نہ آئیں۔الغرض اس عہد میں مسلمانوں کے وقارمیں بہت اضافہ ہوا اور ایک کامیاب مسلم حکومت ابھر کر سامنے آئی،جس میں ہندو اور مسلمان سب شیر وشکر نظر آتے ہیں۔[۵۰]

برنی اور فرشتہ نے اس عہد کے چھوٹے بڑے علما کے نام کی ایک فہرست اپنی تاریخ میں رقم کی ہے جو شاہی دربار کو رونق بخشنے کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے۔[۵۱] فرشتہ کے بیان کے مطابق اس عہد میں اولیاء اللہ، علمائے کرام اور مشائخ کا جیسا گروہ تھا ویسا مقدس گروہ کسی اور زمانے میں دہلی میں جمع نہ ہوا تھا۔حضرت شیخ نظام الدین اولیا، مولانا رکن الدین بن شیخ صدرالدین،تاج الدین سید قطب،سید نجیب الدین اور ان کے بھائی سید مغیث الدین اپنے زہدو تقوی، علم اور روحانی فیوض کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔[۵۲] برنی کے بیان کے مطابق اس عہد میں جو علما تھے ان میں سے ہر ایک علامۂ وقت تھا اور اپنے فن کا ایسا امام سمجھا جاتا تھا کہ اس وقت اسلامی دنیا میں اس کا ثانی نہیں مل سکتا۔علم کا کوئی ایسا شعبہ نہ تھا جس میں کامل دست گاہ رکھنے والے موجود نہ تھے۔ بعض علما تو امام غزالی اور امام رازی جیسی علمی وجاہت اور تبحر کے مالک تھے۔فقہ کے

۴۹- فرشتہ،مصدرِسابق،۱: ۳۹۹۔

۵۰- فرشتہ،مرجع سابق،۱: ۳۹۲۔

۵۱- برنی،**تاریخ فیروز شاہی**: ۳۵۳-۳۵۴؛ فرشتہ، مصدرِسابق،۱: ۹۳ ۳۔

۵۲- فرشتہ،مصدرِسابق،۱: ۳۹۲ – ۳۹۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے ایسے ماہرین تھے کہ ابو یوسف اور محمد شیبانی کا مرتبہ ان کو حاصل تھا۔مولانا جمال الدین شاطبی، مولانا علاء الدین مقری، خواجہ ذکی ایسے ماہرین قراء ت تھے کہ خراسان میں بھی ان کے مرتبے کا کوئی قاری نہیں مل سکتا۔[۵۳]

یہ علاء الدین کی دور اندیشی تھی کہ اس نے علما کو سیاست سے الگ کرکے علمی اور مذہبی کاموں میں مشغول رکھا۔جس سے اس عہد کی دینی فضا کسی طرح بھی مسموم نہ ہوسکی۔[۵۴] باوجود اس کے اس عہد کا یہ الم ناک واقعہ ہے کہ یہاں کی دینی و مذہبی فضا کی شہرت سن کر قاضی شمس الدین محدث مصر سے چل کر ہندوستان اس غرض سے آئے کہ یہاں حدیث کی خوب اشاعت کرسکیں گے، مگر جب انھیں یہ معلوم ہواکہ سلطان شریعت کے بنیادی ارکان پر عمل نہیں کرتا تو وہ یہاں سے مایوس ہوکر لوٹ گئے اور بادشاہ کو تنبیہاً ایک رقعہ لکھ بھیجا جو بادشاہ کو اس کے لوٹ جانے کے بعد دست یاب ہوا،جس کا بادشاہ کو کافی ملال رہا۔[۵۵]اس نے پہلے شراب کی مجلس بند کردی تھی۔اس ممانعت کے پس پردہ جوعوامل کار فرماتھے وہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تھے۔بعد میں صرف شراب نوشی کی اجازت دے دی وہ بھی تنہا۔[۵۶]

غیاث الدین تغلق کی دین داری

سلطنت خلجی کے زوال کے بعد غازی ملک غیاث الدین تغلق تخت دہلی پر ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء میں رونق افروز ہوا۔اس نے اپنی چند سالہ حکومت میں ایسے علمی،سیاسی،فلاحی اور معاشرتی امور انجام دیے جو ماقبل بادشاہ اپنی طویل مدت حکومت میں انجام نہ دے سکے۔اس نے انتیس بار منگولوں کو شکست دی اور ملک کو آفات وحوادث سے بچائے رکھا۔[۵۷] اسی طرح اس نے دکن اور جنوبی ہند کی ہندوریاستوں کو، جو اب تک صرف باج گزار تھیں، ختم کرکے سلطنت دہلی میں ضم کیا۔غیاث الدین مذہب کا بڑا پابند تھا اور نماز پابندی سے اداکرتا تھا۔جمعہ اور عیدین کی نماز کابڑا اہتمام کرتا،روزہ رکھنے

۵۳۔ برنی،**تاریخ فیروز شاہی**،۳۵۳۔

۵۴۔ نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۲۳۱۔

۵۵۔ برنی،**تاریخ فیروز شاہی**، ۲۹۷۔ ۲۹۹۔

۵۶۔ محمد اکرام،مرجع سابق،۱۶۱۔

۵۷۔ صولت،**ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**،۲: ۱۵۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کاہلی نہ کرتا۔اکثر باوضو رہتا اور رات کو اٹھ کر نوافل ادا کرتا۔ خود اس نے مسکرات سے پرہیز کیااور عوام کو بھی سختی سے روکا۔اس نے ہمیشہ خود کو ان لوگوں سے دور رکھا جن کے افکارو خیالات عقائد میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ ان خوبیوں کی وجہ سے وہ حامی ملت حجازی،حامی اسلام،پشت پناہ اسلام اور دین پرور ودین پناہ کے القاب کا مستحق قرار پایا۔(۵۸)سلطان کو مشائخ صوفیہ سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ شیخ رکن الدین ملتانی اور بوعلی قلندر کی بڑی عزت کرتا تھا، مگر مسئلہ سماع پر نظام الدین اولیا سے سخت اختلاف رکھتا تھا۔وہ شیخ سے اتنا زیادہ بدزن ہوگیاکہ علما کا محضر طلب کیا اور کافی بحث ومباحثہ کے باوجود بھی اس کا دل صاف نہ ہوا۔

اس نے حکومت کا انتظام و انصرام اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ ہندو مسلم سب ہی اسے محبوب رکھتے۔اس نے اپنے بھائی کی شادی ایک ہندو راج کماری سے محض اس بنا پر کردی کہ اس کے ذریعے ہندو مسلم تعلقات خوش گوار ہوں گے،مگر وہ خسرو خاں اور اس کے حواریوں سے بھی خوب جم کر لڑا جو اسلام کی بیخ کنی پر تلے ہوے تھے اور ملک بھر میں مساجد و معابد کے منبرو محراب میں بت رکھنے اور قرآن مقدس کی بے حرمتی کرتے تھے۔(۵۹) خسرو کی اس طرح کی حرکتیں اس وقت مسلمانوں کے لیے ایک چیلنج تھیں،اگر سلطان فیروز اس کا مقابلہ نہ کرتا تو اسلام اور مسلمانوں کا حشر ہندوستان میں بہت براہوجاتا۔یہی نہیں بلکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی اور دوسری شکل بھی اختیار کرتا تھا،جس کا اندازہ ابن بطوطہ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے لگا یاجاسکتا ہے:

> جب خسرو ملک بادشاہ ہوا تو اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیے اور حکم دیا کہ تمام ممالک میں کوئی گائے ذبح نہ کرنے پائے۔ہندوگائے کو مارنا جائز نہیں رکھتے۔اگر کوئی گائے ذبح کرلیتا تو اس کو یہ سزادیتے ہیں کہ اسی گائے کی کھال میں سلواکر جلوادیتے ہیں۔یہ لوگ گائے کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں اور ثواب کے لیے بھی اور بطور دوا کے بھی اس کا پیشاب پیتے ہیں،اور گوبر سے گھر اور دیوار لیپتے ہیں۔ خسروخاں چاہتا تھا کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔اس لیے لوگ اس سے متنفر ہوگئے۔(۶۰)

۵۸۔ برنی، **تاریخ فیروز شاہی**،۴۴۱۔۴۴۴؛ فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**،۱: ۴۱۸۔

۵۹۔ برنی،مصدر سابق، ۴۱۱۔

۶۰۔ محمد اکرام، **آب کوثر**، ۳۹۳ ؛ابن بطوطہ،**سفر نامہ**، ۵۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پاک طینت بادشاہ کو زیادہ دنوں تک حکومت کرنے کا موقع نہ مل سکا اور ایک حادثے میں ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ سلطان کی موت اسلامی ہندوستان کے لیے مصیبت عظمیٰ تھی، کیوں کہ اس نے زمام حکومت اپنے مفاد اور کشور کشائی کے لیے نہیں سنبھالی تھی، بلکہ اسلام کی حفاظت و توسیع کے لیے ہی لوگوں کے اصرار پر اس عظیم منصب کو سنبھالا تھا۔ چوں کہ خسرو کی نازیبا حرکت کے انسداد کے لیے ہی بادشاہ نے خسرو ملک سے جنگ کی تھی اور جس میں وہ کام یاب بھی ہوا، لہٰذا اس کام یابی کے بعد لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ سے بہتر بادشاہ اس وقت کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد غیاث الدین نے جو تقریر کی وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے لائق ہے۔ غیرت مندی اور جذباتیت سے پر مندرجہ ذیل اقتباس قابل ملاحظہ ہے:

> میرا تاج و تخت میرا تیر کمان ہے۔ خسرو خاں کے انسانیت سوز مظالم سن کر دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہوگئی اور مجھے اپنی زندگی پر شرم آنے لگی۔ میں نے اسی وقت تین باتوں کا عزم کرلیا۔ ایک یہ کہ دین اسلام کو اس کفر میں دوبارہ زندہ کروں...دوسرے یہ کہ اس سرزمین کو اس کمینہ اور بدذات ہندو بچہ کے ہاتھ سے چھین کر ان شہزادوں کو مراتب سلطنت پر متمکن کروں جو اس کے اہل ہیں، اور تیسرا عزم یہ تھا کہ جن بدبختوں اور نمک حراموں نے نسل شاہی کو اس بے رحمی سے برباد کیا ہے انھیں کیفر کردار تک پہنچاؤں۔ یہ تینوں ارادے محض خدا کی رضاجوئی کے لیے تھے، اور خدا کا بڑا فضل و کرم ہے کہ میری مضبوط ہمت نے ان تینوں عزائم کو پورا کیا۔ میں تخت شاہی کا جویا نہیں ہوں اور سوائے دینی جہاد کے تلوار نہ کھینچوں گا۔ اب اگر نسل شاہی میں سے کوئی شخص بھی زندہ بچا نہیں ہے تو یہاں اور بہت بڑے بڑے امیر موجود ہیں۔ مجھے اپنا گھوڑا اور دیپال پور کا ویرانہ سب سے زیادہ پسند ہے۔[۶۱]

محمد شاہ تغلق کی فکری صالحیت

محمد شاہ تغلق ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں تخت دہلی پر بیٹھا تو دہلی میں بڑوں، بوڑھوں اور بچوں نے مختلف طریقے سے خوشیاں منائیں۔[۶۲] یہ بھی ایک دین دار بادشاہ اور نماز کا بڑا پابند تھا، اذان کی آواز سنتے ہی کھڑا ہوجاتا اور ختم ہونے کے بعد بیٹھتا۔ فجر کی نماز کے بعد دیر تک اوراد وظائف پڑھتا۔ روزہ

۶۱۔ **مثنوی تغلق نامہ**، ۱۴۱، بہ حوالہ، اکبر آبادی، **مسلمانوں کا عروج وزوال**، ۲۷۶۔

۶۲۔ فرشتہ، مصدر سابق، ۱: ۴۲۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پابندی سے رکھتا۔بیماری کے باوجود ماہ مبارک کاروزہ قضانہ کرتا۔[۶۳] لوگوں کو بھی نماز کاپابند بناتا۔جوجماعت کے ساتھ نماز ادانہ کرتا اسے سخت سزادی جاتی۔حکم تھا کہ ہر شخص نماز وشرائط اسلام سیکھے۔اس حکم کی بنا پر سارے لوگ نماز کے پابند ہوگئے اور شرائط نماز وغیرہ کا غذ پر لکھ کر یاد کرتے نظر آنے لگے۔[۶۴] اس کے عہد میں شراب کی کلی ممانعت تھی۔[۶۵] وہ خود بھی ایک بڑاعالم تھا اور مختلف علوم میں دست گاہ رکھتا تھا۔مختلف فنون سے متعلق کتابوں کو ہمیشہ زیر مطالعہ رکھتا۔منقولات سے قدرے متنفر تھا۔[۶۶] اسی علمی شغف کی بناپر اس نے اپنی سلطنت میں عوام کی تعلیم پر بھی خاصی توجہ دی۔اس نے متعدد مدارس قائم کیے اور ان میں کہنہ مشق اور باصلاحیت علماوفقہا کو درس وتدریس کے لیے مامور کیا، قلقشندی کا بیان ہے کہ:”اس وقت صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے،ان میں سے ایک شافعی مکتبۂ فکر کا تھا، بقیہ سارے حنفیوں کے تھے۔“[۶۷]

اس نے تعمیرات مزار پر بھی خصوصی توجہ دی اور کئی مزارات تعمیر کیے یا جو پرانے ہوگئے تھے ان کی مرمت کروائی۔[۶۸] ان خوبیوں کے علاوہ اس میں حکومتی امور کو سرانجام دینے کا سلیقہ بھی تھا۔ اس نے اپنی طویل مدت حکومت میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا۔ ڈاکٹر تاراچند نے اس کی ان خوبیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھاہے کہ وہ اپنے مذہب کی پوری پیروی کرتا،وہ متعصب ہرگز نہ تھا۔ہندوؤں کے ساتھ اس نے رواداری کاسلوک کیا۔اس نے اس کی معاشرتی زندگی کی اصلاح کرنے کی کوشش کی اور رسم ستی کو موقوف کرناچاہا۔اس نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔[۶۹]

۶۳۔ برنی،مصدرسابق،۵۲۲؛سید ضمیر الدین احمد، **مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری: احوال وافکار(سیرت الشرف)** (پٹنہ: خدابخش اورینٹل لائبریری،۱۹۹۴ء)، ۸۶۔

۶۴۔ ابن بطوطہ،**سفر نامہ**،۶۰۴۔

۶۵۔ برنی،مصدرِسابق،۴۶۰۔

۶۶۔ فرشتہ،مصدرِسابق، ۱: ۴۲۶۔

۶۷۔ احمد بن علی القلقشندی،**صبح الأعشی** (قاہرہ:۱۹۱۵ء)،۵: ۶۹؛نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۳۵۳۔

۶۸۔ نظامی، نفسِ مرجع، ۳۷۵۔

۶۹۔ تاراچند، **اہل ہند کی مختصر تاریخ** (دہلی: اردواکیڈمی، ۱۹۶۸ء)، ۱۷۲– ۱۷۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطان نے دہلی کے بجائے دیو گیر کو پایۂ تخت بنانے کے لیے دہلی کے عوام کو وہاں بھیجا، اس کے پس پردہ خاموش تبلیغی جدو جہد تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ جن علاقوں میں مسلمان نہ ہوں گے وہاں دین کی اشاعت نہیں ہوسکے گی، چناں چہ اس نے فیصلہ کیا کہ علما و مشائخ زیادہ سے زیادہ دکن پہنچیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تبلیغ کریں، پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :

> محمد بن تغلق کے قلب میں ایک خاموش تبلیغی جذبہ متحرک نظر آتا ہے۔وہ اسلامی تمدن کو ہندوستان میں ترقی پذیر دیکھنا چاہتا تھا۔ چناں چہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے علما ومشائخ کو نہایت کوشش سے ان دوردراز علاقوں میں بھیجا،جہاں مسلمان کی آبادی نسبتاً کم تھی۔اس کی سیاسی بصیرت کا یہ فیصلہ تھا کہ جس جس جگہ مسلمان کی آبادی نہ ہوگی وہاں مسلمانوں کے سیاسی نظام کی بنیادیں استوار کرنے کی ہر کوشش کوہ کندن وکاہ بر آوردن کی مصداق ہوگی۔چناں چہ دکن کے مسئلہ پر جب اس نے غور کیا تو اس کی نظر اسی پہلو کی طرف گئی۔اس کے پیش رو باوجود بے پناہ طاقت اور قوت رکھنے کے دکن پر صرف اس وجہ سے براہ راست حکومت نہ کرسکے تھے کہ وہاں مسلمانوں کی آبادی نہ تھی۔حد یہ کہ علاء الدین خلجی جیسے بادشاہ نے صرف خراج وصول کرنے پر اکتفا کرلیا تھا۔ان حالات کے پیش نظر اس نے فیصلہ کیا کہ علما و مشائخ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دکن بھیجا جائے،تاکہ وہاں رہ کر تبلیغ اسلام کریں اور اسلامی آبادی کوفروغ دیں۔شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی ثقافتی زندگی کی جڑیں کافی مضبوط ہوچکی تھیں۔چناں چہ اس نے سوچاکہ اگر یہاں کے ایک مضبوط تمدنی مرکز کو جنوبی ہند کی سرزمین میں منتقل کردیا جائے تو شمالی ہندوستان کی تمدنی زندگی میں خاص کمی نہ ہوگی۔لیکن دکن میں اسلامی روایات اورطرز زندگی کو پھیلانے کا کام اچھی طرح انجام پا جائے گا۔جس منصوبہ کی تبدیلی دارالسلطنت کے نام سے مورخوں نے مضحکہ خیز انداز میں پیش کیا ہے وہ حقیقت میں اسلامی تہذیب و تمدن کی ترویج واشاعت کے لیے ایک نہایت ہی منظم کوشش تھی۔[۷۰]

فیروز شاہ تغلق کی مساعی جلیلہ

سلطان محمد تغلق کے انتقال (۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء) کے کئی دنوں بعد لوگوں کے کافی اصرار پر فیروز شاہ تغلق تخت سلطانی پررونق افروز ہوا۔ بلکہ چند علما و مشائخ نے انھیں زبردستی اس بار عظیم کو اس کے کاندھے پر ڈال دیا۔[۷۱] تخت نشینی کی رسم ٹھٹھ میں ادا کی گئی۔وہاں سے چل کر سلطان دہلی

۷۰۔ نظامی، مرجع سابق، ۲۳۸۔ ۲۳۹۔

۷۱۔ فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ۱: ۴۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیا۔عوام کو خوشی ہوئی اور فیروز کے استقبال کے لیے پوری دہلی باہر نکل آئی۔[۷۲] اس کی پوری زندگی شریعت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی، دین ومذہب کا ہر لحاظ سے پابند تھا، کوئی بھی کام خلاف شرع نہ کرتا، مگر بادہ نوشی اور گانے بجانے سے وہ خود کو محفوظ نہ کرسکا۔[۷۳] وہ عالم باکمال تھا،علم فقہ اور نجوم سے بڑی دل چسپی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اس کے عہد میں فقہ کی کئی اہم اور مشہور کتابیں زیور تصنیف سے آراستہ ہوئیں۔[۷۴] جن میں **فتاویٰ تاتارخانیہ** بڑی مقبول ومشہور ہوئی۔

اس کے عہد میں علما کی بڑی قدر ہوئی،اس نے علما، مفتیان کرام، حافظوں، مدرسوں اور ارباب مساجد اور آستانہ داروں کو لاکھوں کی تعداد میں وظائف سے نوازا۔[۷۵] عوام کی تعلیم کے لیے کم وبیش تیس مدارس قائم کیے،ان مدرسوں میں مدرسہ فیروز شاہی، مدرسہ سری اور مدرسہ شاہ زادہ بزرگ فتح خاں قابل ذکر ہے۔[۷۶] کافی تعداد میں نئی مسجدیں تعمیر کروائیں اور بے شمار پرانی مسجدوں کی مرمت بھی۔[۷۷] تعمیرات مزارات پر بھی اس کی خاصی توجہ رہی۔سراج عفیف کے بہ قول بادشاہ نے ایک سو بیس خانقاہیں تعمیر کرائیں۔[۷۸]

بزرگوں کے قبر اور مزارات پر بعض مواقع پر غیر معمولی ازدحام ہوتا تھا، جہاں عورتیں بھی بہ کثرت جمع ہوتی تھیں۔اس سے معاشرتی بگاڑ بڑھنے لگا تھا۔سلطان نے ان جگہوں پر عورتوں کی حاضری کو منع کردیا۔اس تعلق سے **فتوحات فیروز شاہی** میں درج ذیل تفصیلات ملتی ہیں:

> اس زمانے میں صوفیائے کرام اور بزرگوں کے مزاروں پر کثیر تعداد میں مردوں وعورتوں کا ازدحام ایک معمول بن گیا تھا، ان مواقع پر مردوزن کے اختلاط سے بعض برائیاں جنم پارہی تھیں۔عورتوں کی بھیڑبھاڑ دیکھتے ہوئے کچھ بدخصال واوباش قسم کے لوگ محض سیرو تفریح کے لیے وہاں جاتے اور مختلف قسم کی مذموم حرکتوں میں ملوث ہوتے۔ لوگوں پر ان کے برے اثرات محسوس کرتے ہوئے سلطان فیروز شاہ تغلق

۷۲۔ برنی، مصدرِسابق، ۵۴۶۔

۷۳۔ عفیف، **تاریخ فیروز شاہی**،۷۹،۱۴۷، ۳۶۸

۷۴۔ نظامی، مرجع سابق، ۳۹۶-۳۹۷۔

۷۵۔ برنی، مصدر سابق، ۵۹۔

۷۶۔ فرشتہ، مصدرِسابق، ۴۷۰۔

۷۷۔ نفسِ مصدر۔

۷۸۔ نفسِ مصدر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مزارات پر عورتوں کی حاضری ممنوع قرار دی اور اس کے خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔مغل دربار کے ایک ہندو مورخ سجان رائے بھنڈاری کے بیان کے مطابق فیروز شاہ نے مسلم و ہندو عورتوں کو مزارات ومنادر پر جانے کی ممانعت کی تھی۔ایک دوسرے مورخ نے اس مسئلہ کو اور واضح کردیا ہے کہ ان مقامات پر عورتوں کا جانا بہت سی خرابیوں کا باعث بنتا تھا۔اغلب یہی ہے کہ اس ممانعت کے وقت بھی فیروزشاہ کے پیش نظر وہی خرابیاں رہی ہوں گی جو اس طرح کے مقامات پر مردوزن کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہیں۔[۷۹]

شیخ علاء الدین، شیخ نصیر، شرف الدین پانی پتی،قطب الدین منور مخدوم جہانیاں گشت کے علاوہ کئی کبارصوفیا سے ان کے گہرے مراسم تھے۔بادشاہ ان میں سے بعض کی خانقاہ پر حاضری بھی دیتاتھا۔[۸۰]باوجود مذہب کا شدید رنگ غالب ہونے کے ہندوؤں کو تعصب کی بنا پر کبھی نہیں چھیڑا،بلکہ حتی المقدور ہر قسم کی سہولت فراہم کرتا۔یہی وجہ ہے کہ ہندو اس عہد کے مال دار ہوگئے،جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔[۸۱]

جب علاء الدی خلجی کے عہد میں اباحتی فرقوں نے معاشرے میں بے حیائی اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی تو بادشاہ نے اس کے خلاف سخت اقدامات کیے۔جس سے کچھ دنوں کے لیے یہ فتنہ دبا رہا۔دوبارہ پھر اس فرقہ نے اپنے بال و پربڑھائے تو فیروز شاہ تغلق نے اس کے ساتھ سخت کارروائی کی۔ یہ کس طرح سے معاشرے میں برائی پھیلاتے تھے اس کا اندازہ درج اقتباس سے کیا جاسکتا ہے:

> ملاحدہ کے ایک گروہ نے شہر میں اباحت کا دروازہ کھول دیا تھا۔عمال شہر نے سلطان (فیروزشاہ) کے حضور میں عرض کیا کہ ملحدوں اور اباحتیوں کا ایک گروہ شہر میں پیدا ہوگیا ہے اور لوگوں کو اپنے باطل مذہب کی طرف دعوت دیتا ہے۔(ان کی یہ روش ہے کہ) ایک مقررہ دن مقررہ مقام پر جو اس کام کے لیے منتخب کرلیتے ہیں جمع ہوجاتے ہیں...اوربت پرستوں کی سی رسم کے مطابق چاول اور پھول وہاں ڈالتے ہیں،جن لوگوں کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں ان سے اس زمین پر سجدہ کراتے ہیں اور کلمات کفر کی تلقین کرتے ہیں،ان سے کہتے ہیں کہ دین اسلام سے دست بردار ہوجاؤ اور اقرار کرو کہ تمہارا تابع ہوگیا،اور بیٹیوں،عورتوں، ماؤں اور بہنوں کو اس جگہ رات کے وقت جمع کرتے ہیں اور ان کو شراب پلاتے اور سور کا گوشت کھلاتے

۷۹۔ سلطان فیروزشاہ،**فتوحات فیروز شاہی**، ۸۔ ۹۔

۸۰۔ نظامی،**سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**،۴۰۸۔ ۴۱۷۔

۸۱۔ صولت،**ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**،ا: ۱۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور کپڑا اتار دیتے ہیں۔پھر شب کی تاریکی میں جو عورت جس کے ہاتھ پر گئی،خواہ اس کی ماں ہو،بہن ہو یا بیٹی اس کے ساتھ زنا کرتے ہیں۔[۸۲]

اس کی اڑتیس سالہ حکومت کو شان دار حکومت قرار دیاجاسکتاہے،البتہ اس کے زمانے میں کچھ صوبے سلطنت سے نکل گئے جس کو حاصل کرنے کی اس نے زیادہ کوشش اس لیے نہیں کی کہ وہ قتل وخوں ریزی کو ناپسند کرتا تھا۔بنگال کے معرکے میں بہت سے آدمی ہلاک ہوئے تو اس کا بادشاہ کو بڑا رنج ہوا اور لاشوں کو دیکھ دیکھ کر روتا تھا۔لیکن اس زمانے کاالمیہ یہ بھی ہے کہ بادشاہ کو زیادہ حلیم و بردبار پاکر مسلمانوں نے کتاب وسنت سے بے اعتنائی شروع کردی تھی، بہت سی بدعتیں، پیر پرستی اور قبر پرستی کا زور ہوگیااور خود بادشاہ بھی ان کم زوریوں کا شکار ہوگیا تھا۔ اس دور میں شریعت اسلامی کاسب سے بڑا نمائندہ سردار تاتار خاں تھا،اس نے بادشاہ کو بھی پابند شریعت رکھنے کی کوشش کی،لیکن اس کے انتقال کے بعد بادشاہ پر سے یہ دباؤ ختم ہوگیا۔[۸۳] سلطان کاانتقال ۷۹۰ھ/۱۳۸۸ء میں ہوا۔

سلطنت دہلی میں بگاڑ کے آثار

فیروز شاہ تغلق کے انتقال کے بعد ملک خانہ جنگی میں مبتلا ہوگیا۔جلدی جلدی اس خاندان سے کئی حکم راں اٹھے جو حکومت کے حق میں موزوں ثابت نہ ہوسکے،اس لیے یاتو قتل کردیے گئے یا معزول کرکے در بدر کی زندگی گزارنے پر مجبور کیے گئے۔اس خاندان کاآخری بادشاہ محمد تغلق تھا،جس نے چھے سال کی خانہ جنگی کے بعد زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔جس سے سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں ۔اس لیے جب ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور (۱۳۳۶ء-۱۴۰۵ء) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس کامقابلہ کرنے والی کوئی مضبوط طاقت یہاں نہیں تھی۔ تیمور نے دہلی کی فوج کو شکست دینے کے بعد دہلی فتح کیا اور اصفہان اور بغداد کی طرح یہاں بھی قتل عام کیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے مختلف حصوں میں صوبے داروں نے اپنی آزاد حکومتیں قائم کرلیں۔۸۱۵ھ/۱۴۱۲ء میں محمود تغلق کا انتقال ہوگیا تو ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء میں خضر خاں دہلی پر قبضہ کرکے اپنی آزاد حکومت قائم کرلی،جو سیدوں کی حکومت کہلائی۔اس میں کل چار حکمران ہوئے۔ خضر

۸۲۔ نظامی،مرجع سابق،۲۴۷-۲۴۸۔

۸۳۔ صولت،مرجع سابق،۲: ۱۵۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاں کے قبضے میں دہلی اور اس کے نواحی علاقے کے علاوہ پنجاب بھی تھا۔ بعد میں یہ علاقے بھی اس کے قبضے سے نکل گئے اور آخری سید حکم ران علاء الدین عالم شاہ کو صرف دہلی پر اکتفا کرنا پڑا۔ ۸۵۵ھ / ۱۴۵۱ء میں ایک پٹھان سردار بہلول لودھی نے دہلی پر حملہ کرکے لودھی خاندان کی حکومت قائم کرلی۔[۸۴]

سلطان بہلول لودھی کی کسر نفسی

لودھی خاندان کا پہلا بادشاہ بہلول لودھی ہوا، جس کی حکومت کا سرا جون پور سے ملتا تھا۔ اس نے مسلم سلطنت کو ایسے وقت میں سہارا دیا جب کہ وہ اپنے زوال کے دھانے پر تھی۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ دہلی سلطنت کی عظمت رفتہ کو کسی بھی طرح سے بحال کیا جائے۔ اس میں وہ کافی حد تک کام یاب بھی رہا۔ یہ خود بھی دین دار تھا، اس لیے وہ کوشش کرتا کہ حکومت میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہونے پائے۔ رحم دلی اور منکسر المزاجی کے اوصاف اس کے اندر بدرجہ اتم موجود تھے۔ اس نے مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کی۔ اس نے اپنی فوج میں ہندوؤں کو بھی بڑی تعداد میں شامل کیا اور بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ وہ صبح سویرے نیند سے بیدار ہوجاتا اور ریاست کے معاملات کے حل کرنے میں دوپہر تک لگا رہتا، وہ بہ ذات خود عوام کی درخواستیں سنتا اور اس کام کو اپنے امرا و وزرا پر نہ چھوڑتا، دوپہر سے عشا کی نماز تک علما کی صحبت میں رہتا، قرآن پڑھنے یا اجتماعی عبادتوں میں اپنا وقت صرف کرتا تھا۔ علما و صوفیا کی بڑی عزت کرتا تھا، سب سے بڑی بات ان کے اندر یہ تھی کہ وہ امرا کے سامنے تخت پر نہ بیٹھتا تھا۔ بہلول کا انتقال ۸۹۴ھ / ۱۴۸۹ء میں ہوا۔

سلطان سکندر لودھی کی علم پروری

سکندر لودھی نے ۸۹۴ھ / ۱۴۸۹ء میں مسند نشینی اختیار کی۔ اس کے قبضے میں پنجاب اور ملتان تک کا علاقہ تھا، کچھ دنوں بعد اس نے بہار کو بھی فتح کرلیا۔ اس نے اپنا دارالخلافہ آگرہ کو بنایا جسے اس نے خود ۹۱۱ھ / ۱۵۰۶ء میں بسایا تھا۔[۸۵] یہ بادشاہ بڑا بیدار مغز تھا، بہادر اور جری ہونے کے علاوہ علمی ذوق سے بھی بہرہ مند تھا۔ شیخ عبداللہ کے درس میں وہ حاضری دیا کرتا تھا مگر مصلحتاً مسجد کے گوشے میں

۸۴۔ نظامی، **جامع تاریخ ہند**، ۹۲۸-۹۲۹۔

۸۵۔ نفس مرجع، ۹۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چھپ کر بیٹھ جاتا، جس کی خبر مولانا کو نہیں ہوتی۔ شیخ جمال الدین سے بھی علمی صحبت حاصل کی۔ وہ علما وفضلا کی بڑی قدر دانی کرتا تھا۔ شیخ سعد اللہ، شیخ رزق اللہ مشتاقی، شیخ عبدالوہاب بخاری سے اچھے تعلقات تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا وہ بڑا احترام کرتا تھا۔ شعرو شاعری سے بھی دل چسپی تھی اور گلرخی تخلص تھا۔ اس نے فارسی زبان کو بڑا عروج بخشا، اس کے زمانے میں قابل قدر کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اسی زمانے میں بہت سے ہندوئوں نے بھی فارسی پڑھنا شروع کی۔ اس نے سماجی اصلاح پر بھی بہت زور دیا۔ مذہبی رسوم کے پردے میں جو برائیاں پھیلی ہوئیں تھیں اس کو سختی سے روکا۔ عورتوں کے لیے قبر کی زیارت ممنوع قرار دی۔ چیچک کے دیوی شکنتلا کی پرستش پر پابندی لگادی۔ بہت سی جعلی قبریں جو اس زمانے میں وجود میں آگئی تھیں، وہاں نہریں جاری کرکے ان کا نام ونشان مٹادیا۔[۸۶] اس کے مزاج میں کسی قدر درشتی پائی جاتی تھی، اس بنا پر ہندو اس سے خوش نہ تھے، مگر وہ متعصب ہرگز نہ تھا۔ وہ اسلام کو دوسرے ادیان پر غالب دیکھنا چاہتا تھا اور حدود شریعت میں رہ کر یہ سب کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی مثال کروکیشتر کے واقعے میں مل جاتی ہے، مگر میاں عبداللہ کے منع کرنے سے وہ ہندو کو اذیت پہنچانے سے باز رہا۔[۸۷] بدھن برہمن کے قتل کا ذمے دار بالکلیہ اسے اس لیے نہیں ٹھہرایاجاسکتا کہ اس نے بدھن کے سلسلے میں علما سے فتوی طلب کیا اور جب سب لوگوں نے اس کے قتل کا فتوی دے دیا، تب اس کا قتل کیاگیا۔[۸۸] سلطان تقریباً تیس سال حکومت کرنے کے بعد ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں ایک شدید مرض میں مبتلا ہوکر آگرہ میں فوت ہوا۔

اولوالعزم فاتح ظہیر الدین بابر

سکندر لودھی کے بعد اس کا لڑکا ابراہیم لودھی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں موروثی تخت پر بیٹھا، مگر اس کے اندر حکومت چلانے کی صلاحیت مفقود تھی، اس لیے پورے ملک میں بدنظمی پھیل گئی اورعوام اس سے متنفر ہوگئی، لہٰذا عالم خاں امیر پنجاب اور دیگر اعیان واشراف نے مل کر بابر کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی، چناں چہ بابر نے تحقیق حال کے بعد ہندوستان پر۹۲۳ھ/ ۱۵۲۶ء میں حملہ کرکے

۸۶- ابوالحسن علی ندوی، **تاریخ دعوت وعزیمت** (لکھنؤ: مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۰ء)، ۵: ۳۷۔

۸۷- نظامی، **سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات**، ۴۵۲- ۴۵۳۔

۸۸- نظام الدین احمد، **طبقات اکبری**، ۳۲۳- ۳۲۴۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابراہیم لودھی سے دہلی کا تخت چھین لیا۔ بہ قول گلبدن بیگم، بابر نے ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب دیکھا تھا۔[۸۹] جس کی تعبیر آج کے دن سامنے آئی۔اس طرح بابر نے مغل حکومت کی بنیاد باضابطہ طور پر رکھ کر عالم خاں حاکم پنجاب کی توقعات پر پانی پھیر دیا۔ اس کے بعد اس نے لگاتار متعدد حملے ہندوستان کے مختلف علاقوں اور صوبوں پر کیے اور ان کو فتح کر کے سلطنت دہلی میں شامل کیا۔ بابر کو یہاں ابتدا میں قدم جمانے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔یہاں کی عوام بابر کو اس لیے کراہت کی نگاہ سے دیکھتی تھی کی اس کا تعلق امیر تیمور سے تھا،جس نے کچھ ہی دن پہلے ہندوستان میں قہر برپا کر کے لوٹا تھا۔اس نفرت کو دور کرنے میں بادشاہ نے بڑی دور اندیشی سے کام لیا،یہاں تک کہ اس نے اپنے عمدہ عادات و اخلاق اور انعام واکرام کے ذریعے لوگوں کو بہت جلد اپنے سے قریب کرلیا۔اب یہی لوگ نہ صرف بابر کے بہی خواہ بنے بلکہ اس کی آواز پر جان تک دینے کو تیار رہتے۔[۹۰]

بابر گونا گوں خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کا مالک تھا۔علوم فلکیات سے اسے بڑی دل چسپی تھی۔[۹۱] دین داری کے ساتھ علم اور علما نوازی ورثے میں ملی تھی۔[۹۲] بڑے بڑے علماے وقت کو اپنے گرد جمع کر رکھا تھا۔[۹۳] کتابوں کے مطالعے کا بڑا شوق تھا۔دنیا کے مختلف علاقوں سے عمدہ عمدہ کتابیں منگواتا،جس کے لیے اس نے ایک عمدہ لائبریری بنا رکھی تھی۔[۹۴] اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتا تھا۔کئی کتابیں اس نے اپنی یادگار چھوڑی ہیں،جن میں **تزک بابری** کو بڑا مقام حاصل ہے۔ **فقہ بابری**، **رسالہ ولدیہ**، **مثنوی مبین**، **عروض رسالہ** بھی اسی کی تصانیف ہیں۔شعر و شاعری سے بھی تعلق رکھتا تھا۔دیوان بابری اس کی معیاری شاعری کا ترجمان ہے۔خط بابری اسی کی ایجاد ہے، جس

۸۹۔ گلبدن بیگم، **ہمایوں نامہ** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۶۶ء)، ۱۹۔

۹۰۔ ایل۔ایف۔رش بروک ولیم، **ظہیر الدین محمد بابر**، **ترقی اردو بیورو** (دہلی: ۱۹۸۹ء)، ۱۷۶۔ ۱۷۷۔

۹۱۔ **تزک بابری**، بہ حوالہ عبدالمجید سالک، **مسلم ثقافت ہندوستان میں** (لاہور: ثقافت اسلامیہ)، ۲۱۱۔

۹۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، **بزم تیموریہ** (اعظم گڑھ: مکتبہ معارف، ۱۹۹۵ء)، ۱: ۱۷۔

۹۳۔ سید صباح الدین عبدالرحمن، **ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر** (اعظم گڑھ: مکتبہ معارف، ۱۹۶۴ء)، ۲۲۔

۹۴۔ فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ۱: ۵۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وہ قرآن کریم کی کتابت کرکے مکہ بھیجا کرتا تھا۔[۹۵] اس نے عوام کی تعلیم پر بھی توجہ دی، جس کی زیادہ تفصیل تو نہیں ملتی، البتہ اپنی آپ بیتی میں اس نے یہاں کے تعلیمی نظام کے فقدان کا ذکر کیاہے۔ وہ بزرگوں سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ جب کسی جنگی مہم پر نکلتا تو اولیا کے مزار پر حاضری ضرور دیتا۔[۹۶] خواجہ عبید اللہ احرار کو وہ بے حد محبوب رکھتاتھا، خواجہ بھی انھیں موقع بہ موقع نصیحت کرتے رہتے کہ سلطنت کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں فروغ دیا جائے۔[۹۷]

ہمایوں کی کش مکش

بابر کے انتقال کے بعد اس کا لڑکا ہمایوں اپنے تخت سلطانی پر ۹۳۷ھ / ۱۵۳۰ء میں بیٹھا، لیکن باپ کی طرح وہ کام یاب حکم ران ثابت نہ ہو سکا۔ یقینا اس نے کئی اہم جنگی معرکوں میں کامیابی حاصل کی، مگر اس کی عیش کوشی نے اسے ناکامی کی منزل پر پہنچا دیااور شیر شاہ سوری کے ہاتھوں شکست کھاکر در بہ در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوااور کچھ دنوں تک سلطنت سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ ایران کے شاہ طہماشپ کی مدد سے دوبارہ ایک طاقت ور فوج جمع کرکے سب سے پہلے ان علاقوں کو اپنے بھائی سے چھینا جن پر وہ قابض ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ہندوستان پر حملہ کیا اور کام یابی سے ہم کنار ہوا۔ باوجود اس کام یابی کے وہ زیادہ دنوں تک حکومت نہ کرسکا اور ایک دن وہ اپنے کتب خانے کے زینے سے گر کر ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء میں موت کے آغوش میں چلا گیا۔[۹۸] بدایونی نے لکھاہے کہ ہمایوں کی تعلیم وتربیت مذہب واخلاق کے اعتبار سے اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صوم و صلوٰۃ کا بڑا پابند تھا۔ شریعت کے امور بہ حسن وخوبی انجام دیتا تھا، روزہ نماز کی ادائی میں کاہلی نہ کرتا، نہ تو وہ کبھی قسم کھاتا اور نہ ہی فحش الفاظ زبان پر لاتا، کسی سے کبھی ناراض ہوتا تو زیادہ سے زیادہ سفیہ کہہ دیتا۔ معمولی احکام شرعی پر اس سختی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھتا، اور حسن ادب یہاں تک تھا کہ بے وضو خدا کا نام نہ لیتا۔[۹۹] ایک دن اس نے میر عبد الحی کو عبدل کہہ

۹۵- بدایونی، **منتخب التواریخ**،۱: ۳۴۳

۹۶- فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ۱: ۲۰۸۔

۹۷- مکتوبات قدوسی، ۳۳۷، بہ حوالہ اعجاز الحق قدوسی، **اقبال کے محبوب صوفیہ** (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۲ء)، ۴۲۴۔

۹۸- فرشتہ، مصدرِ سابق، ۱: ۲۷۸۔

۹۹- بدیوانی، مصدر سابق، ۱: ۴۶۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر خطاب کیا، پھر وضو کر کے اس نے کہا کہ میں تخاطب کے وقت باوضو نہ تھا اور چوں کہ 'حی' نام خدا کا ہے اس لیے میں تمھیں تمھارے نام سے نہ پکارا۔(۱۰۰) اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک کٹر سنی حنفی بادشاہ تھا،مگر وہ اپنی سلطنت میں ہندو رعایا کی کسی بھی طرح کی دل آزاری کو ہرگز گوارا نہ کرتا۔اسے جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا بھائی کھانے میں گائے کا گوشت زیادہ استعمال کرتا ہے،تو اس پر اس نے افسوس ظاہر کرتے ہوے کہا: "بدنصیب کامران !تیری تباہی کا باعث ہے کہ تو لذت طعام کے لیے گایوں کو ہلاک کرتا ہے، فرزندان بابر کے لیے گائے کے گوشت سے پرہیز لازم ہے۔ہم چاروں کو وہی کرنا چاہیے جو ہمارے والد بزرگوار کرتے رہے ہیں۔جب بھیڑیں اور بکریاں مل سکتی ہیں تو اس جانور کو کیوں ضائع کرتے ہو۔"(۱۰۱)

اکبر کے متضاد رنگ وروپ

جلال الدین اکبر نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ ہی رہا تھا کہ ہمایوں کا انتقال ہوگیا۔اس لیے ۱۰۶۳ھ /۱۵۵۶ء میں حکومت کی باگ ڈور اسے اپنے ہاتھوں میں لینی پڑی۔کم سنی کی بنا پر اتالیق بیرام خاں مقرر ہوے۔جیسے جیسے وہ جوانی کی منزلیں عبور کر رہا تھا، اس کی قابلیت بڑھتی جارہی تھی۔اسی سوجھ بوجھ کا ثمرہ ہے کہ وہ لگ بھگ نصف صدی تک ہندوستان میں بلا شرکت غیر حکومت کر سکا۔اس عرصے میں اس نے حکومت مغلیہ کو حد امکان تک وسیع کر دیا۔

جب ہم اکبر کی حکومت کی مدت کو دوحصوں میں تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی نصف حصے میں اس کی زندگی روشن اور صاف شفاف نظر آتی ہے،جس میں وہ دین ومذہب پر سختی سے عمل کرتا تھااور شریعت کے چھوٹے چھوٹے حکم کو بڑی خوش اسلوبی سے بجالاتا تھا۔(۱۰۲) ابوالفضل کے بہ قول شروع میں تو اس نے بعض ہندوؤں کوڈرا دھمکا کر اپنے بزرگوں کے دین پر بھی لایا۔(۱۰۳) مگر جب اس کی زندگی کے دوسرے نصف پر نظر جاتی ہے تو کم ازکم دینی حمیت رکھنے والے

۱۰۰۔ فرشتہ،مصدر سابق،۱: ۶۷۹۔

۱۰۱۔ سالک، **مسلم ثقافت ہندوستان میں**، ۴۸۰۔

۱۰۲۔ تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ کریں:بدیوانی، **منتخب التواریخ**،۲۔ نیز ملاحظہ کریں راقم کا مضمون: "دین الٰہی کا تحقیقی مطالعہ"،سہ ماہی **تحقیقات اسلامی**، علی گڑھ (جولائی-ستمبر ۲۰۰۵ء)۔

۱۰۳۔ ابوالفضل،**اکبر نامہ** (کلکتہ)،۲: ۲۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کو افسوس کے ساتھ تعجب بھی ہوتا ہے، اس لیے آج تک اس کی زندگی متضاد فیہ بنی ہوئی ہے۔[۱۰۴] آخر اکبر کے اندر اتنا بڑا تغیر کیوں ہوا؟ اس گہرائی میں جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تبدیلی اور مذہب سے انحراف کا ذمے دار وہ خود نہیں، بلکہ اس کے درباری علما تھے جو اپنے مفاد کے تحت دین کی من مانی تشریح و تعبیر کرتے۔ ایک عالم ایک وقت میں کسی چیز کو حلال اور شریعت کے عین مطابق قرار دیتا تو کوئی دوسرا عالم اس کے حرام ہونے کا فتوی داغتا تھا اور پھر اپنی بات کو منوانے کے لیے ایک دوسرے کی تضلیل و تضحیک کرتا تھا۔ ان سب چیزوں کو دیکھ کر بادشاہ نہ صرف متحیر ہوتا، بلکہ ایک دن وہ بھی آیا کہ اس نے یہ کہہ کر ان علما سے اپنا پیچھا چھڑا لیا کہ یہ کیسے ممکن ہے ایک سچے مذہب میں اتنا تضاد ہو۔ پھر جب اس نفرت کا اندازہ اس کی حرم کی ہندو رانیوں اور اس کے غیر مسلم احباب کو ہوا تو انھوں نے بادشاہ کو بہکا کر اسے دین اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں ڈال کر دین ہی سے برگشتہ کر دیا۔ ادھر پرتگیزیوں نے بھی، جو دربار میں ایسے ہی موقع کی تلاش میں رہتے اور دین اسلام کی حقانیت اور اس کے اصول وضوابط پر تنقید کرتے رہتے تھے، اسے اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا۔ ان سب باتوں کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت میں کفر کو عروج حاصل ہوا اور اسلام کا زوال۔

اکبر کے متضاد رنگ روپ کے باوجود اس پورے عہد میں اسلام مغلوب ہرگز نہیں ہوا اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ میرے خیال میں اس پورے عرصے میں یہاں اسلامی علوم کی نشرو اشاعت کے تعلق سے جو وقیع کام ہوئے ہیں، تاریخ انھیں نہیں بھلا سکتی، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کا اعتراف نہ کریں۔ اس نے فتح پور سیکری اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں بلا تفریق مذہب وملت اپنی رعایا کی خوش حالی اور اس کی تعلیم و تربیت کے لیے جو مستحسن اقدامات کیے، ان سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے اثرات پورے ملک پر پڑے اور ہر جگہ تعلیمی ادارے قائم ہونے لگے۔ نیز بادشاہ کے حکم سے طریقۂ تدریس میں بھی تبدیلی کی گئی اور بچوں کو سائنٹیفک انداز سے

۱۰۴۔ تفصیلی مطالعے کے لیے ملاحظہ کریں: راقم کا مذکورہ بالا مضمون، نیز دیکھیں: بدایونی کی کتاب **منتخب التواریخ**، ج:۲ اور ج:۳ کے چیدہ چیدہ اوراق؛ مولوی محمد حسین آزاد، **دربار اکبری** (لکھنؤ: مکتبہ کلیاں)، لکھنؤ: سید میاں، **علمائے ہند کا شان دار ماضی** (دہلی: کتابستان)، ۱: ۱۵– ۲۳؛ سید ابوالحسن علی ندوی، **تاریخ دعوت وعزیمت**، ۴: ۱۰۷– ۱۳۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھانے کا رواج عام ہوا۔ اس کی وضاحت ابوالفضل نے **آئین اکبری** میں کی ہے۔اس عہد کے علما وفضلا اور مشائخ بڑی صلاحیتوں اور خوبیوں کے مالک تھے۔

عہد جہانگیری میں مسلمانوں کی سربلندی

جہانگیر نے ۱۰۱۴ھ/۱۵۰۵ء میں بادشاہ ہند بن کر دارالخلافۂ آگرہ کو رونق بخشی۔ سلیم کی تخت نشینی سے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اس لیے خوشی ہوئی کہ وہ اپنے باپ کی طرح اسلام سے متنفر نہیں تھا، تاہم اس کے ابتدائی زمانۂ حکومت میں اکبری عہد کے ہندوانہ رسوم ورواج کا زور ضرور رہا، مگر بہ تدریج اس میں کمی آتی گئی۔اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ بادشاہ کے ارد گرد ایسے ایسے امرا جمع تھے جو حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات و ارشادات سے متاثر تھے۔ایک دن وہ بھی آیا کہ بادشاہ خود حضرت مجدد کے معتقدین میں شامل ہوگیا۔اس کے بعد اس نے اسلام کی حمایت میں ایسے بہت سے اقدام کیے، جن کا عہد شیخ احمد سرہندی نے بادشاہ سے لیا تھا۔[۱۰۵]

جہانگیر کا باپ ترک اور ماں ہندو نژاد تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرح ہندوؤں پر بہت نوازش کرتا تھا،لیکن وہ اس بات کا ہر گز روادار نہیں تھا کہ کوئی ہندو تعصب کی بنا پر اسلام کی صداقت پر اعتراض اور مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کرے۔عہد اکبری میں ہندو اتنے نڈر ہوگئے تھے کہ وہ جب اور جہاں چاہتے مسلمانوں کی مساجد ومعابدپر حملہ کردیتے اور شعائر اسلامی کے بجا لانے میں سد راہ ہوتے۔یہاں تک کہ مسلمان عورتوں کو بھی زبردستی اپنے گھروں میں داخل کرلیتے تھے۔[۱۰۶] دوسری طرف سیدھے سادے مسلمانوں نے ان سے میل جول کی بناپر بہت سے ہندوانہ طور طریقے بھی اپنالیے تھے۔[۱۰۷]بادشاہ نے تمام چیزوں پر پابندی لگادی،مگر یہ کہنا کہ وہ متعصب تھا،سراسر غلط ہے۔ اگر اس نے اپنے عہد میں اسلام کے فروغ کے لیے کچھ اچھے اقدامات کیے تو وہیں اس نے ہندوؤں کے ساتھ بھی نہایت مشفقانہ برتاؤ کیا۔ اس کا حکم تھا کہ کوئی مسلمان ہندوؤں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کی کوشش نہ کرے۔اس نے ہندوانہ رسم ستی پر پابندی لگائی، تاکہ مرنے والے کے

۱۰۵۔ اکبر آبادی، **مسلمانوں کا عروج وزوال**، ۳۰۹۔

۱۰۶۔ مجدد الف ثانی، **مکتوبات امام ربانی**،مکتوب: ۹۱ (دہلی: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۹ء)،۲: ۱۱۸۔

۱۰۷۔ ندوی، **تاریخ دعوت وعزیمت**،۴: ۲۵۹–۲۶۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بال بچوں کی زندگی تباہ وبرباد نہ ہو۔اگر اس نے چند مندروں کو بہ تقاضائے مصلحت مسمار کیا تو اس کے عہد میں دوسری جگہوں پر بڑے بڑے منادر بھی تعمیر ہوے۔ثبوت کے لیے متھرا کے قریب بندرابن میں گوبند دیوی کے مندر کو پیش کیا جاسکتا ہے۔[۱۰۸] اس عہد کا یہ بڑا المیہ ہے کہ شیعہ بڑی تعداد میں دربار سے منسلک تھے،خود بادشاہ کی بیوی نورجہاں شیعہ تھی،جس کے اثرات دربار میں بہت زیادہ تھے۔ان لوگوں نے بھی اسلام کی بیخ کنی کے لیے ایسے ایسے اقدام کئے کہ اگربادشاہ ذرابھی دین سے غفلت برتتا تو اس زمانے میں اسلام کا وہی حال ہوتا جو اس کے باپ کے دور حکومت میں ہوا تھا۔

شاہ جہاں کی دین پروری

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹاخرم شاہ جہاں ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۷ء میں تخت سلطانی پر رونق افروز ہوا۔یہ نوعمری سے ہی بڑا راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔اکبر اور جہانگیر کے برعکس اس کے چہرے پرداڑھی بہار دکھارہی تھی اور وہ ہمیشہ شراب نوشی سے مجتنب رہا۔[۱۰۹] نماز و روزہ کا پابند تھا اور تلاوت قرآن سے بڑا شغف رکھتا تھا۔[۱۱۰] وہ علما و فضلا کی بھی بڑی قدر کرتا تھا۔اپنا زیادہ وقت ان کی صحبت میں گزارتاتھا۔ملک وبیرون ملک کے منتخب اور نمائندہ علماے دین کواس نے اپنے دربا سے جوڑلیا تھا۔وہ حضرت مجدد سے بے انتہا عقیدت رکھتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ اس نے تخت نشینی کے بعد پہلے ہی فرمان میں باپ دادا کی رسم سے ہٹ کر سجدۂ تعظیمی کی ممانعت کردی۔[۱۱۱] اپنے چھٹے سال جلوس میں جو فرمان جاری کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہندوؤں کی خود سری پر بھی کاری ضرب لگائی۔[۱۱۲]

اس عہد میں اسلام کو بہت عروج حاصل ہوا۔اس نے متعدد مقامات کے ان مندروں کو مسمار کردیا جو شاہی ممانعت کے باوجود تعمیر ہوے تھے۔اسی طرح بڑی تعداد میں ان ہندوؤں کو سزادی جنھوں نے مسلمان عورتوں کو زبردستی اپنے حرم میں داخل کرلیا تھا۔[۱۱۳] دلیپ نامی ایک ہندو کو اس نے اس لیے قتل کروایا کہ اس نے چھے مسلمان عورتوں کا اغوا کرکے ان کے ساتھ غلط تعلق قائم کرلیا

۱۰۸۔ مولوی ذکاء اللہ،**تاریخ ہندوستان** (علی گڑھ)،۶: ۲۷۲۔

۱۰۹۔ عبدالحمید لاہوری،**شاہ جہاں نامہ** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز)،۱: ۵۹۔

۱۱۰۔ نفس مصدر،۹۴-۹۷۔

۱۱۱۔ نفس مصدر،۹۸۔

۱۱۲۔ نفس مصدر۔

۱۱۳۔ نفس مصدر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے قتل کروایا کہ اس نے چھ مسلمان عورتوں کا اغوا کر کے ان کے ساتھ غلط تعلق قائم کر لیا تھا، جس میں سے ایک نے بچہ بھی جنا تھا۔ پہلے بادشاہ نے اسے اسلام قبول کرنے کو کہا مگر اس نے اس سے انکار کر دیا۔[۱۱۴] بادشاہ کے اس طرح کے اقدامات سے ہندوؤں کی حوصلہ شکنی ہوئی اور مسلمانوں کو ان کے ظلم سے نجات ملی۔ نیز اس سزا سے بچنے کے لیے بہت سے ہندوؤں نے اسلام بھی قبول کیا جن کی تعلیم و تربیت کے لیے بادشاہ نے قاضی اور معلم مقرر کیے۔ بادشاہ کے زمانے کا یہ واقعہ بھی اہم ہے کہ اس نے ہگلی میں مقیم پرتگیزیوں پر متعدد بار حملہ کر کے انھیں یہاں سے نکالا۔ اسی طرح دکن کے اہل فرنگ کی بھی سخت گوش مالی کی۔[۱۱۵] یہ لوگ اسلام کے لیے ایک بڑا خطرہ بنے ہوئے تھے اور مسلمانوں کا نہ صرف استہزا کرتے بلکہ موقع پا کر ان کا قتل بھی کر دیتے تھے، نیز مسلمانوں کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں کی عصمت پر حملہ کرتے۔ اس کے علاوہ جگہ جگہ پہنچ کر عیسائیت کی تبلیغ کرتے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ والی گول کنڈہ نے جمعہ کے خطبے سے خلفاے راشدین کا نام نکال دیا ہے تو اس کے خلاف سخت فرمان صادر کیا اور حکم دیا کہ دوبارہ ان خلفا کے نام کو خطبے میں شامل کیا جائے۔ اسے نئی نئی عمدہ اور کشادہ عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے ہندوستان میں جو تعمیری یادگاریں چھوڑی ہیں، اس کی مثال نہیں ملتی، اور اس سے اس کی اسلامی حمیت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[۱۱۶]

حامیِ اسلام اورنگ زیب عالم گیر

محی الدین اورنگ زیب عالم گیر ڈرامائی انداز سے شاہ جہاں کی موجودگی میں داراشکوہ کو شکست دینے کے بعد ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء تخت مغلیہ پر جلوہ افروز ہوا۔ اس وقت اس کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اگر وہ جوڑ توڑ کر کے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لیتا تو شاید اب بھی اسلام اور مسلمانوں کا وہی حشر ہوتا جیسا کہ عہد اکبری میں ہو چکا تھا یا بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے اتحاد کا شیرازہ بہت جلد بکھر جاتا، اس کی وجہ بتاتے ہوئے ایک مورخ گویا ہے:

۱۱۴- محمد صالح کمبوہ، **عمل صالح** (کلکتہ: ۱۹۲۷ء)، ۲: ۲۴۶۔

۱۱۵- لاہوری، **شاہ جہاں نامہ**، ۱۷۶- ۱۷۹۔

۱۱۶- صولت، **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**، ۲: ۲۸۷-۲۹۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داراشکوہ میں حکومت کرنے کی صلاحیت بالکل نہ تھی،اس کے سپرد جو بھی کا م کیا جاتا وہ اس کوبگاڑ دیتا تھا۔اس کے علاوہ مذہبی عقائد بھی اس کے صحیح نہیں تھے۔اس کا مزاج اور طبیعت اس معاملے میں اکبر سے ملتی جلتی تھی۔اورنگ زیب کی طبیعت اس کے بالکل مخالف تھی۔دارا شکوہ اگر بے دینی کی طرف مائل تھا تو اورنگ زیب دین دار تھا۔داراشکوہ حکومت کے معاملے میں جتنا نااہل تھا،اورنگ زیب اتنا ہی اہل تھا۔دونوں بھائیوں کی طبیعت اور مزاج کے اس فرق کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت تھی۔[۱۱۷]

اورنگ زیب عالم گیر برصغیر کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، وہ صرف اس لحاظ سے ہی بڑانہیں کہ اس کے قبضے میں سارا ہندوستان تھا، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اخلاق و عادات، محبت، دیانت، انصاف اور حکومت کی ذمے داری اور رعایا پروری میں بھی وہ بے مثل تھا۔وہ سرکاری آمدنی کو اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاتاتھا،کیوں کہ اس کی نظر میں وہ رعایا کا مال ہے اور اس سے جو رقم ٹیکس کی صورت میں وصول کی جائے اسے رعایاپر ہی خرچ کرنا چاہیے اور اسے اپنے ذاتی عیش و آرام اور مقبروں کی تعمیر پر خرچ کرنا بری بات ہے۔خلفاے راشدین، نورالدین زنگی،صلاح الدین ایوبی اور خود ہندوستان میں ناصرالدین محمود کا یہی طریقہ تھا۔اورنگ زیب نے بھی اس اعلی مثال پر عمل کیا۔[۱۱۸] اس سے بڑی بات ایک بادشاہ کے لیے اور کیاہوسکتی ہے کہ اس نے تو پیوند لگا ہوا کپڑا پہنا تاکہ عوام پر اس کابوجھ نہ پڑے جس نے سوکھی روکھی روٹی اس لیے کھائی کہ عوام کو دو وقت پیٹ بھر کھانا نصیب ہو جائے۔وہ اپنے گزارے کے لیے ٹوپی بنتا اور قرآن کی کتابت کرتاتھا۔برنیر کابیان ہے کہ بادشاہ رمضان کے مہینے میں روزہ افطار کرتا تو اس کے سامنے جوار اور مکئی کی روٹی ہوتی تھی۔[۱۱۹] جب کہ مستعد خاں نے تو یہاں تک لکھا ہے:

حضرت خلد مکانی (عالم گیر)اپنی فطرت سعادت اندوزی کی وجہ سے مذہبی معاملات کے بے حد پابند تھے۔حنفی المذہب سنی تھے۔اسلامی فرائض خمسہ کی سخت پابندی کرتے تھے۔ہمیشہ باوضو رہتے اور کلمہ طیبہ اور دیگر اوراد و وظائف کا ورد ہروقت کرتے رہتے تھے۔نماز باجماعت اول وقت میں ادافرماتے اور تمام سنن و نوافل تک کو ادا کرتے تھے۔ایام بیض کے روزوں کے بڑے پابند تھے اور ہفتہ میں دوشنبہ،پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے۔نماز جمعہ جامع مسجد میں ادا فرماتے۔ مقدس شب ہائے اسلامی میں رت جگا کرکے عبادت میں

۱۱۷۔ صولت،نفس مرجع،۲۹۷۔

۱۱۸۔ سیدصباح الدین،بزم تیموریہ،۷-۱۰۔

۱۱۹۔ صولت،مرجع سابق،۲: ۲۹۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مشغول ومصروف رہتے۔نماز کی پابندی کے علاوہ زکوٰۃ شرعی اداکرنے کا بھی ایسا ہی اہتمام ہوتا تھا۔ذاتی اخراجات کے لیے جو چندمواضعات مخصوص کرلیے گیے تھے ان کی زکوٰۃ خود دیتے اور اولاد کو بھی خاص طورپر تاکید ہوتی تھی کہ زکوٰۃ پوری پابندی اور اہتمام کے ساتھ اداکریں۔ماہ صیام میں عبادت اور اوراد ووظائف میں اور زیادہ شدت ہوجاتی تھی۔آخری عشرہ میں اعتکاف بھی کرتے۔[۱۲۰]

عالم گیرعلوم وفنون کا ایسا ماہر تھاکہ وہ تمام تیموری حکم رانوں پر بازی لے گیا۔خود حافظ قرآن تھا،تفسیر، حدیث اور فقہ سے دل چسپی تھی، امام غزالی کی تصانیف اور دوسرے علما کی کتابیں اکثر پڑھاکرتا تھا،فارسی شاعری کااچھامطالعہ تھا،عربی، فارسی،ترکی اور ہندی چاروں زبان سے خوب واقف تھا۔ فتاوی عالمگیری کی ترتیب تدوین اس کا شان دار علمی کارنامہ ہے۔[۱۲۱]وہ حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات سے بے حد متاثر تھا اور خواجہ معصوم کا حد درجہ معتقد۔[۱۲۲]

اصلاحات کے ضمن میں عالم گیر نے جو اہم کارنامے انجام دیے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ بالعموم بادشاہ کے خاندان والے ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہوتے تھے، کوئی باز پرس نہیں ہوتی تھی۔ اورنگ زیب نے سختی سے روکا اور حکم دیا کہ کوئی بری نہیں ہوسکتا،سب کو برابر سزاملے گی، اس کے جرم کے حساب سے۔انصاف کے معاملے میں وہ اتنا سخت تھا کہ اس نے اعلان کردیا تھا کہ اگر بادشاہ وقت کے اندر بھی کسی طرح کی کوئی خامی نظر آئے تو عوام کو چاہیے کہ وہ عدالت میں مقدمہ چلائے۔اس نے مجلس احتساب کا شعبہ قائم کرکے شراب خوری، ناچ، گانا اور طوائفوں کے دھندے کو بند کرا دیا۔اسی طرح ہندو عورتوں کے لیے ستی کی ممانعت کردی۔بے شک اس نے کئی مندروں کو

۱۲۰- محمد ساقی مستعد خاں، **مآثر عالم گیری** (کراچی: نفیس اکیڈمی،۱۹۶۲ء)،۴۶۸۔

۱۲۱- **فتاوی عالم گیری/فتاویٰ ہندیہ** کی اہمیت وافادیت کے لیےتفصیلی مطالعے کے ملاحظہ کریں راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ 'فتاویٰ عالم گیری : تعارف اور مطالعہ' جو سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس (۳-۱، اگست ۲۰۰۹) اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، پاکستان میں پڑھا گیاتھا۔یہی مقالہ بعد میں فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سالانہ مجلے **دراسات دینیہ** ۲۰۰۹ء میں 'فتاویٰ عالم گیری کی تدوین اور تحقیق' کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے بعض دوسرے جرائد میں بھی اس کی اشاعت ہوئی۔

۱۲۲- محمد اسلم،**تاریخی مقالات** (لاہور: ندوۃ المصنفین،۱۹۷۰ء)،۲۲۶- ۲۴۲؛ سید ابوالحسن علی ندوی، **انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر** (لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام)، ۳۷۴- ۳۷۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منہدم کروایا۔ اس کے اصل اسباب ومحرکات پر منصفانہ نظر دوڑانے کی ضرورت ہے۔اگر اس نے مندروں کو مسمار کیا تو اس نے مسجدوں کو بھی نہیں چھوڑا۔جہاں اور جس جگہ فتنہ ساز لوگ ہوتے جو ملک اور سماج ومعاشرہ میں فساد برپا کرتے اور رعایا کو پریشان کرتے وہ ان تمام جگہوں کانام و نشان مٹادینے کا روادار تھا۔

تاریخ ہند میں بالخصوص دومسلم حکم رانوں کے انتقال پر نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ ہندوؤں نے بھی گہرا سوگ منایا۔ایک محمد بن قاسم کی موت پر اور دوسرے اورنگ زیب کی موت پر۔جمعہ ۴رفروری ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۷ء میں جب اس کی لاش دفنانے کے لیے احمد نگر سے اورنگ آباد لے جائی جارہی تھی تو راستہ بھر لوگ زارو قطار رو رہے تھے جیسے کہ وہ ان سب کاباپ تھا۔[۱۲۳] اس کے انتقال کے بعد ملک کی سیاسی مذہبی، سماجی، معاشرتی اوراقتصادی صورت حال میں حد درجہ افراتفری پیدا ہو گئی۔ اس سے پورے ملک کا نقشہ ہی بدل گیا اور مسلمانوں کاوقار و دبدبہ جاتارہا۔سید صباح الدین عبد الرحمان کے اس تجزیے میں صداقت ہے:

> اورنگ زیب کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوتے ہی تاریخ ہند کارخ بدل گیا، ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلی ہوئی سلطنت کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے عالم گیر ہی کادل ودماغ چاہیے تھا،مگر حکومت بدلنے کے ساتھ زمانہ بدلا اور تاریخ بھی بدل گئی۔تخت طاؤس وہی تھا لیکن اس کے پروں کی خوش نمائی جاتی رہی۔ تیموری دربار وہی تھا لیکن اس کی رونق مٹ چکی تھی۔ارباب عقل ودانش بھی موجود تھے،مگر ان کی جودت وفطانت اور سیاست سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔دیوان خاص کے کنگوروں سے حسرت ویاس برسنے لگی۔ دیوان عام کی دیواروں پر افسردگی چھاگئی اور قلعہ معلی سوگوار ہوگیا۔معلوم نہیں یہ کارکنان قضاو قدر کی مصلحت تھی یا عالم گیر کی اولاد کے اعمال کی پاداش۔تیموری سلطنت اوج کمال پر تھی۔اس کے زوال کو روکنے کے لیے ایک آہنی قوت کی ضرورت تھی،مگر وہ قوت باقی نہ تھی۔فطرت سرگرم کار ہوئی اور تیموری سلطنت کا وہی انجام ہو اجو روم، بابل اور نینوا کا ہو چکا تھا۔[۱۲۴]

سلطنت مغلیہ کا زوال وانحطاط

مغل حکم ران اورنگ زیب عالم گیر کی وفات ۱۱۱۸ھ /۱۷۰۷ء کے بعد اس خاندان کے کئی حکم رانوں نے سلطنت مغلیہ کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اور بارہ سالوں میں چھے مرتبہ تخت نشینی کے

۱۲۳– صولت، **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ**،۲: ۳۰۲۔

۱۲۴– سید صباح الدین، **بزم تیموریہ**،۳: ۹۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے جنگیں ہوئیں۔ ان میں وہ قابلیت نہ تھی جو اورنگ زیب عالم گیر اور اس سے قبل تیموری حکم رانوں کے اندر تھی اور بہ قول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

> اس کی اولاد میں وہ لوگ آئے جنھوں نے گویا قسم کھائی تھی کہ عالم گیر سے حمایت وحفاظت اسلام، احیاء دین اور اجراء سنت کی جو "غلطی" ہوئی تھی، وہ اس کی تلافی کریں گے، نیز اس سے سلطنت کے حدود میں جو توسیع کی تھی ہندوستان کے نظم ونسق کو اپنی بیدار مغزی، مستعدی، اور فرض شناسی سے جو استحکام بخشا، عوام اور فتنہ پردازوں پر جو رعب واثر قائم کیا تھا، وہ اپنی تعیش پسندی، کاہلی ونااہلی، اندرونی اختلاف و کشمکش، خود غرض و جاہ پسند ارکان سلطنت ووزراء پر کلی اعتماد، اور امور سلطنت سے غفلت کے ذریعہ اس "گناہ" کا جو عالم گیر اعظم سے سرزد ہوا تھا مسلسل کفارہ ادا کرتے رہیں گے۔[۱۲۵]

شاہ عالم اول (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء- ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) عظیم الشان (۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء) جہاں دار شاہ (۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء) فرخ شیر (۱۱۲۴ھ /۱۷۱۳ء - ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۹ء) کے زمانے تک اگر چہ سلطنت میں خرابیاں پیدا ہوناشروع ہوگئی تھیں لیکن اس کے باوجود اس وقت تک مغلیہ سلطنت کے اثر اور اقتدار میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ ۱۷۱۴ء میں دکن کے صوبے دار حسین علی خاں نے مرہٹوں کو دکن کے چند صوبوں سے چوتھ اور سر دیش مکھی کے نام سے ٹیکس وصولی کرنے کا حق اس شرط پر دے دیا کہ وہ سلطنت دہلی کی بالادستی کو تسلیم کریں گے۔ یہ حق تیموری سلطنت کے معاملات میں مرہٹوں کی مداخلت اور اس کے میدان کے طاقت پکڑنے کا باعث ہوا۔ ۱۱۳۱ھ/۱۷۲۰ء میں بہادر شاہ کا پوتا محمد شاہ تخت نشیں ہوا، اس کی یہ تخت نشینی سلطنت تیموریہ کے زوال کا آغاز ہوا۔ اسی زمانے میں محمد شاہ رنگیلے کی عیش کوشی، نا اہلی اور امرا کے باہم اختلافات اور تعصب سے فائدہ اٹھا کر مہاراشٹر کے مرہٹوں نے زور پکڑا اور پانچ سال کے اندر اندر مہاراشٹر سے مالوہ تک کے علاقے پر قبضہ کرلیا، یہاں تک کہ گجرات بھی مرہٹوں کے قبضے میں چلا گیا۔

محمد شاہ رنگیلے کی لاپرواہی اور ہٹ دھرمی سے برہم ہوکر نادر شاہ ایرانی نے ہندوستان کے ایک وسیع خطے کو دہلی سمیت تاراج کیا اور سلطنت دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے معاً بعد دکن، سندھ، بنگال، اودھ وغیرہ میں مستقل حکومتیں قائم ہوگئیں اور سلطنت مغلیہ سے تعلق ختم ہوگیا۔ ۱۷۵۲ء میں کشمیر بھی بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گیا۔ محمد شاہ کے جانشیں احمد شاہ (۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء-

---

۱۲۵- ندوی، **تاریخ دعوت وعزیمت**، ۵: ۴۵- ۴۶۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱٦۷ھ/۱۷۵۴ء) اور عالم گیر ثانی (۱۱٦۷ھ/۱۷۵۴ء- ۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء) بھی اس زوال کو نہ روک سکے۔عالم گیر ثانی کے قتل کے بعد شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ/ ۱۷۵۹ء- ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰٦ء)نے بادشاہت کااعلان کیا۔مگر اس نے بھی ایک دن راہ فرار اختیار کی اور اودھ پہنچ کر سانس لی۔پھر انگریزوں کی پشت پناہی میں آگیا۔اسی زمانے میں احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر دوسری بار حملہ کرکے مسلمانوں کی گرتی ہوئی طاقت کو سہارا دیا۔اس کے باوجود وہ یہاں اپنی حکومت قائم کیے بغیر قندھار لوٹ گیا،البتہ اس نے شاہ عالم کو تخت پر ضرور بٹھا دیا۔اس کے بعد اکبر ثانی (۱۸۰٦ء- ۱۸۳۷ء) اور بہادر شاہ (۱۸۳۷ء- ۱۸۵۷ء)وغیرہ حکم ران ہوئے مگر یہ صرف برائے نام بادشاہ تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے وظیفہ خوار بن گئے،کیوں کہ اب ملک کے بیش تر حصوں پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیاتھا۔ان حکم رانوں کی سیاسی کم زوری، عیش وطرب کی زندگی اور دین سے غفلت مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجہ بنی۔ذیل کے اقتباس میں یہ صداقت جلوہ گر ہے:

> اورنگ زیب عالم گیر کے جانشین سیاسی لحاظ سے کمزور،بزدل اور ناعاقبت اندیش،دینی لحاظ سے بے کردار اور آزاد، اخلاقی لحاظ سے عیاش واقع ہوے تھے۔انھوں نے ان اصلاحات کو نہ صرف یہ کہ برقرارنہ رکھا،بلکہ پھر بد نظمی،بے دینی اور بد اخلاقی کی فضا پیدا کردی۔کسی کے دینی عقائد متزلزل ہوگئے، تو کسی نے ڈمنی لال پر فریفتہ ہوکر حکومت اس رقاصہ کے حوالے کردی۔کسی نے مینا بازار کا اہتمام کیا، جہاں آتش شہوت کو ٹھنڈا کرنے کا انتظام تھا۔کسی نے محمد حسین مشہدی کے نئے دین کی پشت پناہی کی۔کسی نے شریعت محمدی پر نکتہ چینی کی اور مذہبی احکام کا مذاق اڑایا۔کسی نے عیش و عشرت میں ڈوبے رہنے کو زندگی کی قیمت جانا...نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی گرفت ڈھیلی پڑی تو طوائف الملوکی شروع ہوئی۔غیر مسلموں نے موقع غنیمت جان کر صدیوں کا انتقام لمحوں میں حاصل کرنے کا تہیہ کرلیا۔اسلامی شعائر کمزور ہونے لگے اور کفر کے شعائر ظاہر ہونے لگے۔بالآخر انگریزوں نے سازش اور چالاکی سے مسلمانوں کی طویل حکومت کا خاتمہ کردیا اور اس کے ساتھ ہی ہندوستان سے مسلمانوں کا اقبال بھی رخصت ہوا۔[۱۲٦]

اورنگ زیب کے بعد سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک کے زمانہ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی علمی وروحانی، اخلاقی ومعاشرتی،دینی و مذہبی حالت حددرجہ خراب ہوگئی تھی۔لوگ عیش کوشی اور خرافات میں مبتلا ہوگئے تھے، توہمات اور مشرکانہ رسوم کا چلن ہوگیا تھا،پھر

۱۲٦- محمد سعود عالم قاسمی،"سلاطین ہند اور اسلامی تہذیب" سہ ماہی **تحقیقات اسلامی**، علی گڑھ، (اپریل-جون،۱۹۹۳ء)،: ۵٦-۵۷۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلمان کلی طور پر اپنے دین سے بے خبر اور شعائر اسلامی کو بجالانے سے قاصر تھے۔بلکہ ایسے وقت میں بھی خرابیوں کے ساتھ بعض اچھائیاں بھی ان میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔بیسویں صدی کے ایک عظیم مفکر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہ قول:

دین سے غفلت روز افزوں تھی مگر آنکھوں میں حیا اور دلوں میں گداز باقی تھا۔اللہ کے نام کا ادب اور اس کی کہلانے والی چیزوں (شعائراللہ) کا احترام رخصت نہیں ہوا تھا۔جس کا نتیجہ یہ تھا کہ توبہ و انابت کی توفیق سلب نہیں ہوئی تھی...فسق و فجور میں ترقی تھی،مگر فسق و فجور پر اصرار اور معاصی و محرمات کے اظہار واعلان کا رواج نہیں ہوا تھا۔اہل دنیا کی وقعت اور اہل حکومت کا رعب ضرور تھا،مگر اہل دین کی توقیر اور اہل علم کا اعزاز بھی قائم تھا اور دین کے ساتھ تمسخر واستہزا کا دروازہ نہیں کھلا تھا۔محکومی وغلامی کے لیے تیاری شروع ہوگئی تھی،مگر اسلاف کی مردانگی وسپہ گری کا بچا کھچا سرمایہ باقی تھا۔شجاعت ودلیری، وفاداری،وضع داری،پختگی، استقامت، عالی ہمتی، فراخ حوصلگی، جفاکشی و مستعدی،جوہر شناسی، ذہانت و طباعی سے ابھی ہندوستانی مسلمانوں کا دامن خالی نہیں ہوا تھا۔لیکن دین و علم کے یہ بڑے بڑے ذخیرے جو سلطنت کی کوششوں سے جمع ہوئے تھے مسلسل خرچ اور عرصے سے درآمد بند ہونے کی وجہ سے گھٹتے گھٹتے ختم ہوتے جارہے تھے اور اضافہ وترقی کا دروازہ بند معلوم ہوتا تھا۔[۱۲۷]

حاصلِ بحث

سابقہ بحث کی روشنی میں اگر سلطان محمود غزنوی سے لے کر بعد کے عہد میں سلاطین کی دینی مساعی کو دیکھا جائے تو انھیں حسب ذیل نکات میں سمیٹا جاسکتا ہے:

۱۔ اگر ہندوستان کا راجا جے پال سلطنت غزنی کو بے جا ہڑپنے کی کوشش نہ کرتا تو شاید محمود غزنوی ہندوستان کی جانب ابھی رخ نہ کرتا اور کرتا بھی تو بہت بعد میں، چناں چہ جب اس نے ہندوستان پر حملے کی شروعات کیں تو پے درپے کئی حملے کیے اور تمام راجاؤں سے مقابلہ کرکے اس کی طاقت کو کم زور کردیا جو جے پال یا اس کے بیٹے کا جنگ میں ساتھ دے رہے تھے، لیکن اس نے کہیں بھی جبر وتشدد سے کام نہیں لیا۔وہ اس قدر روادار واقع ہوا کہ جہاں بھی پہنچا اپنی کام یابی کے بعد عام اعلان کرتا کہ جس کا جی چاہے میری فوج میں داخل ہوجائے۔جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں ہندو اس کی فوج میں شامل ہوئے۔یہی وجہ ہے

۱۲۷۔ ابوالحسن علی ندوی،**سیرت سید احمد شہید** (کراچی: مجلس تحقیقات نشریات اسلام،۱۹۸۷ء)،۱: ۸۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ اس کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر کئی ہندو مقرر تھے۔ اس نے لگ بھگ پینتیس سال بڑی شان سے حکومت کی۔ پنجاب، ملتان، سندھ، گجرات، مالوہ، اجمیر، دہلی، برن، قنوج، میرٹھ، گوالیار، کالنجر وغیرہ کے علاقوں کو اپنے زیرنگیں کیا اور جن سے سالانہ خراج وصول کرتا رہا۔ محمود ذہین، دین داراور مخیر صاحب علم تھا۔ اس کے لیے مختلف فنون میں کتابیں تحریر کی گئیں اور مختلف ممالک کے علما اس کے دربار میں پہنچے جن کا وہ بڑا اکرام کرتا اور انعام سے نواز تھا۔ بڑا عادل، رعایا پرور اور ہمیشہ برسرجہاد رہتا، جس کے لیے وہ مشہور ہے اور جس کے جنگی کارنامے تاریخوں میں مذکور ہیں۔ اس کے انتقال کے بعد تخت وتاج کے لیے بھائیوں میں جنگ شروع ہوئی، آخر مسعود غالب آیا، مگر وہ بھی زیادہ دنوں تک حکومت نہ کرسکا، پھر اس کا بھائی تخت پر بیٹھا، وہ بھی حکومت کو زوال سے نہ بچاسکا اور یکے بعد دیگر سے اس خاندان سے کئی حکم ران اٹھے جو نااہل ہی ثابت ہوئے۔ اس عرصے میں دوبارہ ہندوؤں نے سراٹھایا اور جن علاقوں پر محمود نے قبضہ کیا تھا وہ سب علاقے ان کی نگرانی سے نکل گئے۔ اسی کم زوری سے فائدہ اٹھاکر علاء الدین غوری نے غزنی پر حملہ کرکے اسے غور کی حکومت میں شامل کرلیا اور اسلام دشمن طاقت چاہے وہ یہاں کے ہنود ہوں یا ان کی پشت پناہی میں قرمطی، اس کی اچھی طرح سے گوش مالی کی۔ باوجود اس افراتفری کے اس پورے عہد میں اسلام اور اسلامی علوم وفنون کوبرابر ترقی ملتی رہی۔

۲۔ دہلی سلطنت بھی بڑی حدتک مہذب، فلاحی اور رعایا پرور کہی جاسکتی ہے۔ مطلق العنان بادشاہت کی جو خوبیاں ہوسکتی ہیں وہ اس میں تھیں اور ساتھ ہی کچھ کم زوریاں بھی تھیں، کیو ں کہ وہ اپنے عہد کی گہری مذہبیت اور علما و مشائخ سے بہت قریب تھی اور خود کو خلافت کے نمونے سے کم ازکم نظری اور ظاہری طور پر قریب رکھنے پر مجبور تھی۔ اس عہد کی بین الاقوامی سیاست میں بادشاہت کا ایک عام طرز وانداز تھا جس کے کم زور پہلوؤں سے مسلم بادشاہوں نے اپنے کو بلند رکھنے کی بہ ہرحال کوشش کی۔ عدل و انصاف، علماپروری اور عوام کی راحت رسانی، تہذیب و تمدن کا فروغ، علوم وفنون کی ترقی، رفاہ عام، بے تعصبی و انسانی ہم دردی اور مذہب واخلاق کی بالادستی کے لحاظ سے وہ آج کے جمہوری نظام سے بہت بلند تھی۔ بہ ہرحال سلاطین دہلی اپنی مذہبیت ودینی رجحانات اور خدمت اسلام کے دعووں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باوجود اسلام کے مکمل نمائندے اور صحیح نمونہ نہیں کہے جا سکتے، اس لیے کہ ان کے قول وفعل کو اسلامی احکام کی پیروی نہیں قرار دیا جاسکتا،لیکن ان کا طرز عمل بڑی حد تک سیکولر تھا اور جہاں تک رموز مملکت اور طرز حکومت کا تعلق ہے، ان میں بیش تر سلاطین اسلام کی صحیح تعلیمات پر کم ہی عمل پیرا ہوسکے۔اس بات کی سب سے بڑی دلیل ان کی مطلق العنان بادشاہت ہے، جو اسلامی نظریۂ حکومت سے بہت دور ہے۔دوسری بات یہ بھی ہے کہ ان میں سے شاید ہی کسی سلطان نے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کی کوشش اس معنی میں کی ہو جس طرح علما وصوفیاکے طبقے نے انجام دی، البتہ ان کے رویے سے اس مبارک کام کو بڑی وسعت ملی، جس سے کسی بھی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ تیموری حکم رانوں نے ہندوستان میں جس شان دار طریقے سے حکومت کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔بابر نے مختصر مدت میں ہندوستان کے باشندوں کے دلوں میں جو جگہ بنائی وہ تاریخ کا اہم باب ہے۔اس نے ملک کوسجانے اور سنوارنے کی حد درجہ کوشش کی اور ہندو اور مسلمانوں کے قلوب کو جوڑنے کے لیے بھی مستحسن اقدامات کیے۔اسی طرح اس کا بیٹا ہمایوں بھی کافی حد تک لائق حکم ران ثابت ہوا جس نے اس ملک میں اسلامی قدروں کوفروغ دیا۔

۴۔ اکبر نے جتنی طویل مدت تک حکومت کی اگر اس کی فکر میں بعض وجوہ سے بے اعتدالی نہ ہوتی تواس جیسی شان دار حکومت نہ اس سے قبل وجود میں آئی تھی اور نہ بعد میں کسی اور حکم راں کو نصیب ہوتی۔لیکن اس کے متضاد رنگ روپ نے مسلمانوں کو کسی حد تک مقہور ہوکر کے رکھ دیا تھا۔ جہانگیر بھی کسی قدر لائق فرماں روا ثابت ہوا، مگر اسے اپنے باپ کے غلط رسوم ورواج کو مٹانے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے ہی میں زیادہ وقت صرف ہوا۔گو کہ اس نے آخری زمانے میں دینی جذبے کے تحت اسلام کو فروغ دینے کی کوشش ضرور کی۔شاہ جہاں نے تو اپنی دینی حمیت کو پوری سلطنت میں عام کرنے کی بڑی کوشش کی۔

۵۔ اورنگ زیب عالم گیر نے بڑی جدوجہد کی کہ کسی طرح مسلمان اپنی شناخت کو قائم رکھے اور دینی ومذہبی قدروں کا پاس کرے جس کے لیے اس نے کئی اچھے اقدامات کیے اور حکومت کو ہرقسم کے جھول اور عیوب سے پاک رکھنے کی کوشش کی۔اس کے انتقال کے بعد حکومت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغلیہ کا زوال شروع ہوگیا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ عالم گیر کے بعد جو بھی حکم راں سامنے آئے ان کے اندر حکومت کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ان میں زیادہ تر عیش پرست اور خود غرض واقع ہوئے۔ اسی کم زوری سے انگریزوں نے فائدہ اٹھایا اور اور مغلیہ حکومت کا خاتمہ کرکے اپنا اقتدار قائم کرلیا۔

۶۔ علما، صوفیا اور مشائخ نے شروع سے کوشش کی کہ مسلم فرماں رواؤں کی سلطنت میں ایسے ہی امور انجام پائیں جن کا شریعت سے تعلق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات بادشاہوں سے بھی تعلق رکھتے او رانھیں گاہے بہ گاہے ناصحانہ انداز میں اور کبھی سخت لہجے میں ان کی غلط کاریوں پر تنقید بھی کرتے رہے، جب کہ صوفیا کی جماعت ہمیشہ ان چیزوں سے دور رہی اور ایک گوشے میں بیٹھ کر قال اللہ وقال الرسول کی آواز بلند کی اور خلق کثیر کو اپنے واعظ وارشاد سے متاثر کرتی رہی، جس کے نتیجے میں تبلیغ دین کا کام ہندوستان میں بڑے پیمانے پر ہوا جس کا تاریخی ریکارڈ موجود نہ ہونے کی بنا پر اس کا تعین نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ ضرور کہاجاسکتا ہے کہ علما اور صوفیا جو حکومت وقت کے نگینے تھے اور جن کی مساعی سے بہت سے غیر مسلم حلقہ اسلام میں داخل ہوئے۔

۷۔ جب ہم ہندوستانی سماج ومعاشرہ پر اسلام کے اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام نے اپنا اثر توضرور دکھایا اور اس کی صاف ستھری تعلیمات نے غیر مسلموں کے دلوں میں بھی جگہ بنائی، مگر ان کی موثر تعلیم وتربیت کے فقدان کی وجہ سے یہ لوگ اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنے سماج میں جس انداز سے زندگی بسر کررہے تھے، اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی ان کے اندر کوئی بڑا تغیر نہ ہوا اور وہ اسی طور طریقے پر عامل رہے جو قبول اسلام سے قبل تھے، جس کا منفی اثر یہ ہوا کہ جب یہ لوگ مسلمان ہوکر مسلم معاشرہ میں داخل ہوئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے تو دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو متاثر کیا۔ جس کی واضح مثال یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں بہت ساری چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں جو ہندوانہ اورمشرکانہ ہیں اور جن کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مسلمان اپنا سب کچھ غیروں کو دیتے اور غیروں کی اچھی چیزوں کو قبول کرتے اور ان کے منفی رسوم و روایات اور عادات واطوار سے ہرگز متاثر نہ ہوتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸- جہاں تک مسلمانوں کی تعلیم وتربیت اور اسلامی علوم کے فروغ واشاعت کا تعلق ہے تو یقیناً مسلمانوں نے ہندوستان میں اچھے نقش ثبت کیے ہیں اور علوم اسلامیہ کا کوئی ایسا ضروری گوشہ نہیں جس میں ہندوستانی علما نے اہم خدمات انجام نہ دی ہوں۔ تفسیر، حدیث، فقہ کے علاوہ دوسرے علوم وفنون میں بھی انھوں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں، ان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ان علوم وفنون کے فروغ واشاعت کے لیے مسلمانوں نے جگہ جگہ مدارس و مکاتب قائم کیے جو حکومت کے اخراجات کے علاوہ امرا اور عام لوگوں کے نجی خرچ سے چلتے تھے۔ ان میں بھی بعض مدارس وہ ہیں جن کی تعمیر وترقی میں خود بادشاہ وقت نے دل چسپی لی اور علمانے بھی اپنی ذمے داری سمجھ کر دینی علوم کے فروغ و اشاعت کے لیے مدرسے قائم کیے۔

❁❁❁❁❁❁

© rasailojaraid.com